ماہنامہ
دلیل راہ
لاہور
جون 2008ء - جمادی الثانی 1429ھ

امام اقتدار پھر ایک مرتبہ "بست یوسف" میں نظر آتی ہے۔ ہم سے اور مظلوم یوسف کو بتانا چاہیں گے کہ آپ جس دنیا میں رہ رہے ہیں اسی دنیا میں آپ کے جد اعلیٰ سید خواجہ الاعظم کی سرزمین بغداد اور اس کے گرد و نواح میں امریکی اور اتحادی مسلمانوں کو شہید کر رہا ہے۔ آپ "جھوٹے سید" نہ بنیں، شہیدوں کا درد محسوس کریں۔ افغانستان میں پانچ لاکھ شہادتوں کی حکایت سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ گلفی نا گفتنی



کرد و کفر پر کذب بیان کے اثرات
درس قرآن

دار العمل سے عالم برزخ کی طرف
درس حدیث

کیوں خوف ہے مولیٰ رسا کو صورت شمس
عجالۂ نافعہ

اگر اصلی بعد میں پڑھنا
ایک اچھوتی تحریر

WWW.NAFSEISLAM.COM



آفتاب ہدایت سے لے کر ضیاء
دونوں عالم کی ہر شے دمکنے لگی

ہر طرف ہو گئی روشنی روشنی
ذرے ذرے کی قسمت چمکنے لگی

تازگی مل گئی، پھول کھلنے لگے
گویا گلشن میں جانِ بہار آ گئی

یوں نسیمِ چمن رقص کرنے لگی
ہر کلی مسکرا کر مہکنے لگی

حسنِ خلد بریں میں اضافہ ہوا
سارے غلمان خوشیاں منانے لگے

نوری، نوری، کلائی میں ہر حور کی
چوڑی چوڑی چھنکنے کھنکنے لگی

اہلِ عالم کے دل میں سرور آ گیا
آ گیا نور تاریکیاں چھٹ گئیں

زد میں شعلوں کے سینۂ ابلیس ہے
آتشِ بغض جس میں بھڑکنے لگی

بلبلیں گیت خوشیوں کے گانے لگیں
رحمتیں، برکتیں مسکرانے لگیں

پر، تھی پوری جماعت شیاطین کی
دیکھ کر نورِ خالق پھڑکنے لگی

انتہا ہو گئی حق کے انعام کی
آندھیاں تھم گئیں درد و آلام کی

خضر ڈوبے ہوئے دل دھڑکنے لگے
غمزدوں کی طبیعت سنبھلنے لگی

پیر سید خضر حسین شاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

با نگ بلند است ایں، پوشیدہ نمی گویم

یہ بات پڑھنے اور سننے والی ہے کہ سترہ سال کا ایک نوجوان محبتوں، الفتوں اور آسائشوں کی آماجگاہ سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ اپنے ہی بھائی اسے چند سکوں کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ وہ صبر و سکون کے ساتھ گویا فطرت کے کسی خاکے میں رنگ بھرنے کے لئے مشاہدہ اور عمل کی گذرگاہ پر سفر جاری رکھتا ہے۔ غلام بن کر بکنے سے پہلے اسے اندھے کنویں میں بھی پھینکا جاتا ہے۔ تقدیر اسے کنویں سے عزیز مصر کے محل تک پہنچا دیتی ہے، اگرچہ اجنبیت کے طوفاں اسے لرزا دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں لیکن طبیعت کی استقامت اسے بے نیازی کے تحفے دیتی رہتی ہے۔ وفاداری، دیانت، صدق عمل اور امانت شعاری تسخیر خزائن کا مقدمہ بن کر نئی زندگی سے اس نوجوان کو ہمکنار کر دیتی ہیں۔ کچھ دیر کے لئے جنگل کے درندوں، کنویں کی وحشتوں، غلامی کی محرومیوں کا مقابلہ کرنے والا نوجوان ایک نئی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے۔ حسن کی ترغیب اور جذبات کا ہیجان اسے منزل سے ہٹا نہیں سکتا۔ عجب نوجوان تھا کوئی ہوس اس کے حسن کو شکار نہ بنا سکی۔ سازش بپھر کر سامنے آئی اور جیل کی تاریک کوٹھری میں اس نوجوان کو ڈال دیا گیا۔ عشق حق اس کے ہاں علم ہو گیا اور اس کا سچا علم اسے پھر شاہی دربار تک لے آیا۔ خداداد علم رسا ثابت ہوا اور ایک وقت گذرنے کے بعد وہ نوجوان عزیز مصر بن گیا۔ قوم کی معاشی بدحالیوں کے لئے اس کا نظام مسیحا بن کر نمودار ہوا۔ قحط سالی کا مقابلہ عزم و ہمت سے کیا۔ ان کا بے لوث جذبہ خدمت، خداداد صلاحیت، فراست اور نبوت نے خود غرضانہ زندگی کی ہر بیہودگی دور کر دی ہے۔ وہ مظلومیت کے ایام میں صبر سے رہے اور مختاری کے ایام میں انہوں نے رعایا کے ساتھ حسن سلوک کیا، بخشش کی، انتقام میں نہ پڑے، انعامات عام کئے، یہ نوجوان کل کا یوسف تھا جس کے نام پر قرآن کی ایک پوری سورت موجود ہے۔

خواب، حقیقت اور حکومتی منصوبہ بندی کا قرآنی نقش ملاحظہ ہو _____

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

(سورۃ یوسف)

اے دوست یوسف! ہمیں تعبیر دیجئے سات موٹی گایوں کی جنہیں کھا رہی ہیں سات لاغر اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک شاید میں لوٹ کر جاؤں لوگوں کی طرف ممکن ہے وہ حقیقت سے آگاہ ہو جائیں (۴۶) آپ نے فرمایا تم کاشتکاری کرو گے سات سال لگاتار تو جو تم کاٹو اسے رہنے دو اس کی بالی ہی میں مگر تھوڑا سا جسے تم کھا سکو (۴۷) پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے۔ کھا جائیں گے جو تم نے فراہم کر رکھا ہے ان کے لئے مگر تھوڑی سی مقدار جسے تم محفوظ کر لو گے (۴۸) پھر آئے گا ان کے بعد ایک سال کہ لوگوں کو خوب بارش نصیب ہو گی اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے (۴۹)

اب ہم صفحہ فکر پلٹ کر اپنے دور کے احوال پڑھنا چاہیں گے۔ لجام اقتدار پھر ایک مرتبہ ''دست یوسف'' میں نظر آئی ہے۔ ہم نئے اور مظلوم یوسف کو بتانا چاہیں گے کہ آپ جس دنیا میں رہ رہے ہیں اسی دنیا میں آپ کے جد اعلیٰ سید غوث الاعظم کی سرزمین بغداد اور اس کے گرد و نواح میں امریکہ دس لاکھ مسلمانوں کو شہید کر چکا ہے۔ آپ ''بھولے سید'' نہ بنیں، شہیدوں کا درد محسوس کریں، افغانستان میں پانچ لاکھ شہادتوں کی حکایت سوہانِ روح بنی ہوئی ہے، سرزمین فلسطین کی ایک عیسائی لڑکی صدر بش کے منہ پر جوتی مار چکی ہے۔ تمہارا انداز اسلام کے بارے میں ہتک آمیز ہے اور تم مسلمانوں کو خواہ مخواہ دہشتگرد قرار دے کر ایک ارب مسلمانوں کا دل دکھا رہے ہو۔ مغربی تولیت مدارس کو چٹائیاں سمیٹنے کا عندیہ دے چکی ہے۔ معاش اور اقتصادی لحاظ سے پاکستان کو کنگال کیا جا رہا ہے۔ بظاہر مغربی بربریت سمجھتی ہے کہ کھانے کے لئے جب انہیں روٹی نہیں ملے گی ایٹم بم کو چوسنے سے ان کی بھوک دور نہیں ہو گی۔ ان کی تجارتوں کا دیوالیہ کر دو، ان کی تجوریوں کو کھنگال ڈالو، ان کے خزانے لوٹ لو، کوشش کرو ان کی آنکھوں سے حیا ڈھل جائے۔ ان کے مولویوں کو مخفی اداروں کے ٹکٹوں پر امریکہ کی سیر کراؤ۔ بین المذاہب اشتراک بڑھانے کے لئے انجمنیں قائم کرو۔ سائنسی شرارتوں سے زلزلے بپا کرو۔ ان کے غیرت مند مسلمانوں کو بھکاری بنا دو۔ ہم غلط نہیں تو پچھلے آٹھ دس سال سے مسلمان حکومتوں میں تعلیم چور، عدل چور، بجلی چور، پانی چور، گندم چور، تمدن چور اور نظام چور پیدا کئے جا رہے ہیں۔ نظام مصطفےٰ کا نام لینا جرم ٹھہرا دیا گیا ہے۔ نظریاتی کونسلیں راشی ادارے بن چکے ہیں۔ ملک کو چمنیوں اور دیئوں کے دور میں داخل کر دیا گیا ہے۔ وطن کے شہباز بھی، ملت کے نواز بھی، قوم کے زرداری بھی خوفناک امتحان میں پڑ چکے ہیں۔ ایسے میں زعمائے اسلام کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے۔ سفر کی سمت درست کرنی چاہئے، دشمن کو دشمن سمجھنا چاہئے۔ ہمارے حکمرانوں کو لاشیں اٹھانے والے بھنگی بننے سے گریز کرنا چاہئے، سمجھنا چاہئے قوم کو کفن دینے کے لئے آپ کو درزی نہیں بھرتی کیا گیا۔ بقائے ملت کی منصوبہ بندی آپ کا فرض منصبی ہے۔ کافی عرصہ سے ہمارے زعمائے سیاست وقتی فضاؤں میں پتنگ اڑا رہے ہیں۔ معاملات کا ''مآل کار'' دیکھنا عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ ہمیں جرأت کے ساتھ فوری فیصلہ کرنا ہو گا کہ ان تین راستوں میں سے ایک فوراً اختیار کریں:

تمام مسلمان ممالک مصلحتیں ترک کر کے مضبوط بنیادوں پر مغربی ریاستوں کی طرح عملی اتحاد بنائیں، خلافت اسلامیہ قائم کریں، ایک کرنسی جاری کریں اور کفر کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

دوسرا راستہ اگر پہلی تجویز پر عمل کا وقت گذر چکا ہے تو چائنہ کی دوستی کو صرف امریکہ کے ڈراوے کے لئے استعمال نہ کریں بلکہ عملاً چائنہ اتحاد میں آ کر دنیا کا نقشہ بدل دیں۔ پہلے بھی روس کے خلاف ضیاء الحق نے جہاد نہیں کیا مسلمانوں کو برباد کیا ہے کہ آج اگر وہ دونوں طاقتیں

آپس میں لڑ رہی ہوتیں تو مسلمان امن سے رہتے۔ ہمارے خیال میں مسلمان جرنیلوں میں بے وقوف ترین شخص ضیاء الحق تھا۔ جس نے جہاد کے نام پر امریکی کیمپ مضبوط کیا۔

تیسرا راستہ امریکہ کی سو فی صد غلامی کا راستہ ہے اور ظاہر ہے یہ شرمناک راستہ ہے۔

اس بنیاد پر اگر قوم وملت کو رسوا کرنا ہے تو سیاست دان منافقانہ روش چھوڑ کر کم از کم قوم کو بھوکا تو نہ ماریں۔ کسی معاشی خوشحالی کے پیکج پر جو کرنا ہے جلدی کریں۔ ایٹم بم کو بت بنا کر پوجیں نہ اس کی سیل لگائیں۔ اگر جرأتمندانہ فیصلے کرنے سے عاری ہو تو بڑھکیں مارنا چھوڑ دو۔ تمہیں ایک واضح راستہ اختیار کرنا ہوگا اور فیصلہ سنانا ہوگا۔

فرعون اور ہے اور موسیٰ اور

یزید اور ہے اور حسین اور

نمرود اور ہے اور ابراہیم اور

ہم پاکستان کے تازہ دم یوسف کی بات کر رہے تھے۔ انہیں اپنے بزرگوں کی راہ چلنا چاہئے۔ راہ محبت میں کسی ملامت گر کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ ''زمام در دستِ زرداری'' کی روش چھوڑیں، مزے کی راہ یہی ہے۔

خام بدم، پختہ شدم، سوختم

فلاح ملت کے لئے خود سوچیں۔ گندم، بجلی، پٹرول اور مہنگائی کے مسئلے حل کریں وگرنہ ہم کہیں گے اور بجا طور پر کہیں گے اور ساری قوم مان بھی لے گی کہ مہربان ہمارا ابھی آزاد نہیں، یوسف ہنوز در چاہ است۔ شاید کنویں سے نکلنے میں کچھ دیر لگے اور ممکن ہے یہ بھی ٹھیک ہو کہ حاکم تو اپنی رعیت کے اعمال کا عکس ممثل ہوتا ہے۔ آپ کا کیا قصور آوے کا آوا ہی بگڑ چکا ہے۔

ہر چہ ہست از قامت نا ساز و بے اندام ماست

ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ الماعون کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝٦ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧

کیا دیکھا آپ نے اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے (۱) پھر اسی لیے تو وہ یتیموں کو دھتکارتا ہے (۲) اور مسکینوں کو کھانا کھلانا کی رغبت نہیں دلاتا (۳) پس بربادی ہے نمازیوں کے لیے (۴) وہ جو اپنی نماز سے بھولنے والے ہیں (۵) وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں (۶) اور عام سی استعمال کی چیزوں سے منع کرتے ہیں (۷)

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورہ ''الماعون'' کی سات آیات رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی میں آپ کے مبارک دل پر نازل ہوئیں۔۔۔۔۔۔۔''

یہ بات ٹھیک ہے کہ مضامین سورت مدنی سورتوں کے اسلوب سے مشابہ دکھائی دیتے ہیں، لیکن افکار اور سوچوں کا مطاف اگر حضور ﷺ کی سیرت طیبہ، اسوہ حسنہ اور ذاتِ اقدس بن جائے تو مکی اور مدنی ہونا تو مظاہر ہیں جن کی اصل ایک ہی ہے اس لئے ایک ہی اصل سے پھوٹنے والی شاخیں جتنی بھی ہوں ان میں مشابہت فطری بات ہے۔ نزول وہبوط کے مکانی مظاہر اور زمانی دائرے متفاوت ہو سکتے ہیں لیکن کلام جب اللہ کا ہے مؤخر بات مقدم بیان ہو سکتی ہے اور مقدم مؤخر ہو سکتی ہے اور کہیں ایسا اگر محسوس ہو تو یہ قرآنی اعجاز ہوگا۔ افکار پر مشاہدات کی گرفت اعتقادِ صحیحہ کے منہاج پر رہنا چاہیئے۔۔۔۔۔۔۔''

قرآن مجید کے آخری جزو میں تصدیق اور تکذیب کا موضوع بہت واضح نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے جس کے دین کے اصول وفروع احکام واوامر، ممنوعات ومنہیات، امثال ونظائر، دعوات وخطبات، کیفیات وجذبات اور نہضات وحرکات ہر زاویئے اور ہر لحاظ سے مکمل، مدلل اور جامع انداز میں بیان ہو چکے ہیں تو باقی صرف تصدیق بچتی ہے یا پھر تکذیب، قرآن حکیم کی چھوٹی سورتوں میں اسلوب میں ابلاغ اپنی انتہا کو چھو لیتا ہے۔

سورہ ماعون کو عروجِ فکر کے ساتھ جب کوئی برستا اور فیض بار ہوتے دیکھتا یا پڑھتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس سورت میں اس کردار کو واضح کیا جا رہا ہے جو اپنے چند اعمال، رویوں اور فکری مغالطوں سے دین کی تکذیب کر لیتا ہے۔

سورت میں چار مضامین نہایت واضح دکھائی دیتے ہیں:

۱۔ کردار اور عمل پر تکذیب دین کے بُرے اثرات

۲۔ نمازوں کی حقیقت کو فراموش کر دینے والے لوگ

۳۔ ریاکاری جب عادت بن جائے

۴۔ کم ظرف ہو جانے کی آفت

اس طرح کہ معمولی استعمال کی اشیاء بھی دوسروں کو نہ دینا، یا اس سے اعراض کی کوشش کرنا۔

دین میں پہلا مرحلہ معرفت اور تصدیق کا ہوتا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کی روح کی گہرائیوں میں دین اتر جائے۔ تین خوبیاں کم از کم اس میں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں:

پاک دل، پاک باز اور زبان کا ستھرا

نرم دمِ گفتگو

گرم دمِ جستجو

رزم ہو یا بزم ہو

پاک دل و پاک باز

وہ لوگ جو زندگی کے آنگن میں ''دین'' کو قائم کر لیں انہیں حساس ہو جانا چاہیئے کہ وہ کسی ایسی پگڈنڈی پر نہ جا الجھیں جہاں وہ خود اپنے دین کو گرا دیں، اپنے دین کی تکذیب کر دیں، دین میں تقاضا شہادت کا ہے کذابت کا نہیں۔

سورہ الماعون سے قاریٔ قرآن کو سیکھنا چاہیئے:

دین ''قائم'' کیسے ہوتا ہے؟ اور دین زندگی سے بھاگ کیسے جاتا ہے۔

قرآن کا ملکوتی اسلوب اپنے قاری کی خوب مدد کرتا ہے۔ دیکھتے ہیں ''سورہ الماعون'' کہاں سے بے یار و مددگار انسان کی انگلی پکڑتی ہے۔ کیسے اس کے نفس ریاکار سے بدعملی اور بدفکری کی میل دھو دیتی ہے اور کس طرح اسے شاہراہ حیات پر سبک رفتار اور محفوظ کردار بنا کر رواں دواں کر دیتی ہے۔ انسانی کیفیت کے قرآنی اسالیب سے بڑھ کر کون سی بات مستند اور ثقہ ہو سکتی ہے۔ آیئے ماعون پڑھ کر زندگی کا دامن صاف کرتے ہیں۔۔۔۔۔

أَرَءَيْتَ ٱلَّذِى يُكَذِّبُ بِٱلدِّينِ ۝

کیا دیکھا آپ نے اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ادبیت میں خطاب یا تو رسول اکرم ﷺ سے ہے اور یا پھر ہر عاقل سے خطاب کیا گیا ہے اور استفہام یا تو تقریری ہے اور یا پھر تعجبی صحیح بات یہ ہے کہ قرآن بنی نوع انسانی کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا، اس دین میں جو باتیں واضح اور بے غبار اسلوب میں سکھا دی گئیں اللہ کی ذات پر ایمان ہے، نبوت کو دل وجان سے تسلیم کرنا ہے اور معاد اور آخرت پر یقین اتم رکھنا ہے اور اسلام کو

مکمل نظام زندگی سمجھ کر اپنانا ہے۔ ایسا شخص جو اسلام کو ٹکڑیوں میں بانٹ کر مانتا ہے حقیقت میں اس کا ماننا نہ ماننے کی طرح ہے۔
اور ایسے بھی نہیں کہ اسلام اعتقاد کی چند سطریں مان کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔ زبان تو کہے کہ میں مسلمان ہوں لیکن عملی اور روحانی میدان میں زندگی کا ایک ایک لحظہ حقیقت اسلام سے ابا کر دے۔ قرآنی عقیدہ اور عملی پھول اور خوشبو کی طرح ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ہیں۔
اس آیت میں قاریٔ قرآن کے سامنے ایک سوال رکھا جاتا ہے کہ ایسا شخص جو یتیموں کو دھکے دیتا ہو اور ''اطعام دین'' اس کی زندگی کا عنوان ہی نہ ہو، کیا وہ اپنے دین کی تصدیق کرتا ہے؟ یا تکذیب، ان دو باتوں میں کیا جوڑ ہو سکتا ہے کہ ایک طرف بندہ کہے میں خدا کو مانتا ہوں اور دوسری طرف وہ یتیموں اور ضرورت مندوں کو دھتکارتا ہو۔ اس کا دعویٰ یہ ہو کہ وہ عظیم رسول کا ماننے والا ہے لیکن اس کا عمل چیخ چیخ کر اس کی صداقت دعویٰ کا انکار کر رہا ہو۔ آرزو کی حد تک وہ یہ تاثر بھی دے کہ آخرت قائم ہوگی، احتساب ہوگا اور کڑا احتساب لیکن زندگی بسر کرتے ہوئے محسوس ہی نہ ہو کہ اس شخص نے یہ دنیا بالآخر چھوڑ دینی ہے۔
سورہ کا عنوان اور عمود یہ ہے کہ ''ایمانی صداقت'' کسی بھی محل اور کسی بھی زندگی کے رخ پر دوغلی محسوس نہ ہو اس کا رنگ گہرا اور ایک رہنا چاہیئے۔
آیت کے شانِ نزول میں ابن جریج نے لکھا کہ یہ آیت ابوسفیان کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ ہر ہفتہ اونٹ کو ذبح کرتا اور جب کوئی یتیم سائل بن کر آتا تو وہ ظالمانہ انداز میں اسے لاٹھی سے پیچھے ہٹا دیتا۔
مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ عمل وعقیدہ میں دورُخا انسان تھا۔۔۔۔'' سدی سمجھتے تھے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں اتری۔۔۔ ماوردی کا کہا یہ تھا کہ ابوجہل ایک یتیم بچے کے مال کے لئے وصی تھا۔ بچے نے جب مال طلب کیا تو ابوجہل نے دینے سے انکار کر دیا۔ اکابر قریش نے کہا کہ بچے تمہاری پشت پناہی محمد ﷺ ہی کر سکتے ہیں اگرچہ قریش نے تو یہ بات استہزا کے لئے کہی تھی لیکن بچہ درِ رسالت مآب ﷺ پر حاجت لے کر حاضر ہوا اور حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ اس بچے کو لے کر ابوجہل کے پاس آئے اور کہا بچے کا مال کیوں دیتے نہیں ہو؟ ابوجہل انکار نہ کر سکا اور مال بچے کے حوالے کر دیا۔ قریش نے ابوجہل کو غیرت دلائی تو اس نے قسم کی، ماجرا یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے جب بچے کا حق مجھ سے طلب کیا تو آپ کے دائیں بائیں سے دو نیزے اور برچھے میری طرف بڑھے اگر میں حضور ﷺ کی بات نہ مانتا تو مجھے پرو کر ہلاک کر دیا جاتا۔۔۔۔''

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ

پھر اسی لئے تو وہ یتیموں کو دھتکارتا ہے

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے مسلمان غلام کو آزاد کیا وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ سے فدیہ ہو جائے گا۔ اس غلام کی ہر ہڈی اس کی ہڈی سے فدیہ ہو جائے گی اور جس شخص نے کسی یتیم بچے کو مسلمان ماں باپ کے ساتھ ملا دیا اس کے کھانے پینے تک یہاں تک کہ اللہ نے اس یتیم کو غنی کر دیا اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔۔۔۔''
''مذاہب اور ادیان'' پر تحقیق کرنے والوں کے لئے کس قدر حیران کن ہے یہ بات کہ جو شخص یتیم کو دھکے دیتا ہے وہ دراصل دین کی تکذیب کرتا ہے۔
''دھکے دینا'' تین مفہومات کی طرف اشارہ کر رہا ہے:
ایک تو یہ کہ وہ اُسے ایذا دیتا ہے
دوسرا یہ کہ وہ اس کی توہین کرتا ہے کرامت انسانی کے عنوان کو کتنا سنگین دھکا پڑتا ہے جبکہ ایک انسان اپنے ایسے انسان بلکہ کمزور انسان کو دھکے دیتا ہے
اور تیسرا یہ کہ وہ نعمتوں کا صحیح معنوں میں قدرداں نہیں، شکر و سپاس کی کیفیات سے وہ محروم ہے۔
دولت دوں نے اسے تکبر کے حوالے کر دیا جبھی تو وہ
یتیم کو دھتکارتا ہے اور یہ بھی کہ ایسا شخص عقیدہ صالحہ کی دولت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتا

قرآن حکیم کسی شخص کے گلے میں چند ''رسوم ورواج'' کا پٹہ ڈال کر اسے کسی مخصوص پیکر ہی میں نہیں ڈھالتا۔ قرآن حکیم نور ہے وہ بدن میں داخل ہو کر گوشت پوست کے انسان کو کردارِ عمل کی روشنی بنا دینے والی کتاب ہے۔ قرآن حکیم رحمت ہے اور وہ اپنے ماننے والوں میں رحمت اور کرم کی پرورش کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات صرف زبان سے چند باتوں کا اظہار نہیں بلکہ ذہن، دل اور روح میں ایسی تبدیلی لاتا ہے جو

WWW.NAFSEISLAM.COM

قرآنی تیار کردہ انسان کو ایسا مسلمان بنا دیتی ہے کہ وہ چھوٹا سا وجود "بڑے الٰہ" سے مربوط ہو جاتا ہے اور انسانی معاشرہ میں جو لوگ امداد اور ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں وہ ان کے لئے سراپائے کرم بن جاتا ہے۔

سورہ ماعون کی اس آیت میں ایک حیراں نظر اس شخص کے کردار کو زیرو بنا کر پیش کرتی ہے جو مسکین کا خیال نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کو اس نیکی کے کام پر اکساتا نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور ﷺ سے کسی شخص نے سوال کیا حضور ﷺ! اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے تو آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ اسے پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔۔۔۔

ایک کامل دین وہی ہوتا ہے جو انسان کی بدنی، قلبی، ذہنی اور روحانی ضرورتیں پوری کرے۔ ایک ایسا شخص جو دین کی دولت سے مالا مال ہو جائے وہ خود بھی مطمئن زندگی گذارتا ہے اور اس کے حلقہ معاشرت میں جتنے لوگ زندگی بسر کرتے ہوں وہ پابند ہے کہ ان کی بدنی، روحانی اور ذہنی ضرورتوں کی تکمیل کا بندوبست کرے۔ کھانا اور پینا بنیادی انسانی ضرورتیں ہیں اس لئے حضور ﷺ نے **اطعام طعام** کو دین میں اچھی خصلت قرار دیا۔ قرآن حکیم کی آیت جمالیاتی ادب کی کس قدر خوبصورت سوغات ہے جس میں اس شخص کے انداز حیات پر گرفت کی جاتی ہے جو مسکینوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ انہیں کھانا کھلانے کی تحریص نہیں دلاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں معاشرتی سنگ دلیاں انسان کو آہستہ آہستہ اس قدر بے کار کر دیتی ہیں کہ دین کے حسین نظریات کو بھی وہ شخص ڈھیر کرتا چلا جاتا ہے اور بالآخر اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا اور خوش قسمت ہے وہ شخص جس کی زندگی میں اچھے اعمال جو ہمدردی اور رحمت کی خوشبو رکھتے ہوں محسوس کرواتے رہیں کہ ایمان اپنی تمام تر عظمتوں کے ساتھ اس کے دل اور ذہن میں موجود ہے۔۔۔۔۔"

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝

پس بربادی ہے نمازیوں کے لئے

نماز اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ حضور ﷺ نے اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس نے نماز قائم نہ کی ہو۔ مسلم معاشرے میں بے نماز آدمی پل بھر کے لئے بھی جی نہیں سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ منافقین کو بھی اسلامی سوسائٹی میں لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے نماز کی صفوں میں آ کر کھڑا ہونا پڑتا۔ اسلامی عبادات کے وجود میں نماز کی حیثیت روح کی ہے۔ سورہ ماعون میں زیر مطالعہ آیت پڑھ کر قاری قرآن چونک جاتا ہے کہ نمازی کے لئے ہلاکت ہے؟ اگرچہ اگلی آیت اس جملہ کی خوب وضاحت کر دیتی ہے لیکن قرآن حکیم کے اسلوب میں اسے ایک مستقل آیت قرار دیا جاتا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ وہ شخص جو ہر وقت نماز میں رہتا ہو اس کے من میں محبتوں نے چراغاں کر رکھا ہو جب اسے بھی کہہ دیا جائے کہ نمازی بھی ہلاک ہو سکتا ہے تو ایک بار تو وہ ہل جائے گا اور فوراً سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ کون سی وہ کمزوریاں ہیں جو نماز کو نماز نہیں رہنے دیتیں۔ اسلوب کی نیرنگی فہم اور ادراک کو تیز کر دیتی ہے اور نمازی فوراً سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ کتاب رحمت میں "ویل" تو بڑے بڑے جرائم کے لئے لایا گیا ہے اس موقع پر نمازوں کی جنت میں رہنے والا شخص فوراً آمادہ ہو جاتا ہے کہ میں جانوں تو سہی کہ کون سی نماز بربادیوں کا مقدمہ بن جاتی ہے، دل اور دماغ جب پوری طرح معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کے لئے تیار کر دیئے جاتے ہیں تو فوراً اگلی آیت حقائق کو بے نقاب کر دیتی ہے۔

الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝

وہ جو اپنی نماز سے بھولنے والے ہیں

قرآن حکیم نے نمازیوں کے لئے جو تنبیہات رکھی ہیں:

ان میں نماز کی حفاظت کا مسئلہ ہے

دوسرا نماز قائم کرنا ہے

تیسرا نمازوں پر دوام برتنا ہے

چوتھا نمازوں میں خشوع و خضوع برتنا ہے

پانچواں نماز کو اپنے روحانی معیار پر قائم رکھنا ہے اور

چھٹا نماز کو جو چیزیں کردار ساز نہیں بننے دیتیں ان سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

سورہ ماعون کی یہ آیت ان نمازیوں پر گرفت کرتی ہے جو نماز کی حرکات تو پوری کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے اندر پڑھنا ہوتا ہے وہ بھی پڑھتے ہیں لیکن ان کا دل اور دماغ حضوری سے محروم ہوتا ہے وہ ایسے نمازی ہوتے ہیں جو عبادت کی حقیقت سے بے گانہ رہتے ہیں۔ ایسی

نمازیں درحقیقت وہ آثار زندگی میں نہیں پیدا ہونے دیتیں جو اسلام کے ساتھ مخلصانہ تعلق کی برہان ہوتی ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ

وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں

ریا، دکھلاوا ہے اور یہ عذاب ہے لکڑی کے لئے جس طرح دیمک خطرناک ہوتی ہے اعمال کے لئے ریا تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ ریاکار شخص اپنا روپ بدل کر پیش کرتا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ پرستی اس کا دستور حیات ہے لیکن اس کے دل میں اللہ کی رضا نہیں ہوتی وہ لوگوں کی نگاہوں میں آنے کی سعی کرتا ہے اور یہ امر انتہائی طور پر قابل مذمت ہوتا ہے مقصد اس سے کبھی تو لوگوں کی زبان سے تحسین اور تعریف سننا ہوتا ہے اور کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا تقویٰ ظاہر کر کے لوگوں میں مقبولیت حاصل کرے، دنیا میں شہرت کی غرض اس کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

نماز میں سہو عدم توجہ کی بنا پر ہوتا ہے اور ریاکاری میں قصد اور ارادہ شامل ہوتا ہے اس لئے ریاکاری سہو سے بڑا جرم ہے اس لئے کہ سہو تو ممکن ہے ذکر میں استغراق کی بنا پر ہو لیکن ''ریا'' میں تو سفلی منزل کے سوا کوئی دوسری چیز مقصود نہیں ہو سکتی۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

اور عام سی استعمال کی چیزوں سے منع کرتے ہیں

سورہ ماعون نے جن جرائم اور کوتاہیوں پر گرفت کی وہ یتیم کو دھکے دینا، مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا، نماز میں غفلت برتنا اور ریاکاری ہیں آخر میں معمولی استعمال کی چیز سے لوگوں کو مستفید نہ ہونے دینا تکذیب دین کی ایک علامت گنی گئی ہے۔

علامہ قرطبی اور رازی نے ماعون کی تشریح میں لکھا ہے:

کہ مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرنا ماعون سے منع کرنا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔۔۔۔۔

ابن شہاب کے نزدیک اس سے مراد مطلق مال سے منع کرنا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

ماعون سے مراد گھر میں استعمال ہونے والی کارآمد اشیاء ہیں مثلاً کلہاڑی وغیرہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں وہ چیز ماعون ہے جو عاریۃً لی جائے۔۔۔۔۔

کلبی نے کہا وہ چیز جس کا آپس میں لین دین کرتے ہو۔۔۔۔

ماعون سے مراد پانی اور گھاس ہے

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے مراد کسی شخص کا حق ہے

طبری نے کہا کوئی بھی تھوڑی سی چیز ماعون ہے

اخفش نے کہا ماعون سے مراد اطاعت ہے

ماوردی نے کہا ماعون ہر وہ کام ہے جس میں محنت کم کرنی پڑتی ہو

خوش بخت انسان وہ ہے جو ہمہ دم اپنے دین کو تکذیب اور تعدیم سے بچائے

یتیموں کا ماویٰ بن جائے

مسکینوں کا مولا ہو کر زندگی بسر کرے

اللہ کی مخلوق کے لئے سراپائے رحمت ہو

نمازوں کی حفاظت کرے۔۔۔۔

ریاکاری ایسی غلیظ حرکت سے بچے۔۔۔

اپنے متاع حیات کو لوگوں کا سامان برت بنا دے

اے اللہ اخلاق حسنہ کی دولت سے نواز۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM



جن اعمال کا ثواب مسلسل ملتا رہتا ہے

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ اوعلم ینتفع بہ اوولدصالح یدعولہ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے البتہ تین باتوں میں (جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

پیدائش سے لے کر موت تک کا وقت دارالعمل ہے اور قبر سے نکل کر میدان محشر میں جانے اور اس کے بعد کو دارالجزاء کہا جاتا ہے درمیان میں عالم برزخ ہے جو درحقیقت انتظار کا عالم ہے۔

جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادت خداوندی بتایا گیا اس لئے دنیوی زندگی یعنی دارالعمل میں انسان کو عبادات کا مکلف بنایا گیا ہے اور اس کے لئے اسے وہ تمام قوت وطاقت عطا کی گئی جو عبادت کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی طاقت، عقل ودانش کی دولت اور اختیار کی نعمت عطا کرنے کے بعد عبادات کا مکلف بنایا لیکن جب انسانی جسم وروح کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے کیونکہ اس وقت انسان دارالعمل سے عالم برزخ کی طرف کوچ کرجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس وقت بھی اسے محروم نہیں رکھتا اور اسے ثواب ملتا رہتا ہے اگر اس نے وہ کام کئے ہوں جن کا اس حدیث شریف میں ذکر کیا گیا یعنی وہ اعمال کا مکلف نہ رہنے کے باوجود ثواب کی دولت سے بہرہ مند ہوتا رہتا ہے۔ ان تین اعمال میں سے پہلا عمل صدقہ جاریہ ہے۔

صدقہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک صدقہ وقتی ہوتا ہے مثلاً واجب صدقہ کی صورت میں غرباء ومساکین کو یا نفلی صدقہ کی صورت میں عام مسلمانوں کو کھانا کھلایا تو اس کا ثواب اسے ضرور ملتا ہے بشرطیکہ شہرت سے اور ریاکاری کی بجائے رضائے الٰہی مقصود ہو لیکن یہ ثواب ایک مرتبہ مل جاتا ہے۔ ثواب ملنے کا سلسلہ جاری نہیں ہوتا۔ دوسری قسم صدقہ جاریہ ہے اس کا ثواب جاری رہتا ہے صدقہ جاریہ اس صدقہ کو کہتے ہیں جس سے مسلسل نفع اندوزی ہوتی رہے مثلاً مسجد بنائی، مسجد میں پنکھا لگایا، چٹائی بچھائی یا اس طرح کی دیگر اشیاء جن سے نمازیوں کو فائدہ پہنچتا ہے، صدقہ جاریہ ہے، دینی مدرسہ بنایا، کسی طالب علم کو یا کسی بھی مستحق صاحب ذوق کو دینی کتب خرید کردیں، کنوؤاں کھدوا کر وقف کردیا، کسی گزرگاہ پر پانی کی سبیل بنادی تاکہ آنے جانے والے لوگ اس سے پانی پئیں غرضیکہ ہر وہ کام جس سے مخلوق خدا کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے اس شخص کے نامہ اعمال میں ثواب لکھا جاتا رہے گا اگرچہ وہ دنیا سے رخصت ہوگیا ہو۔

اس لئے ہماری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اپنا روپیہ پیسہ ان کاموں پر خرچ کریں جن سے انسانیت بلکہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خیر الناس من ینفع الناس" بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ بعض کام اگرچہ ذاتی طور پر بڑے اچھے کام ہوتے ہیں اور مسلمان ان کاموں پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ جاریہ میں نہیں آتے جب کہ ان کے مقابل بعض ایسے کام ہیں جہاں مال خرچ کرنے کی سخت ضرورت بھی ہوتی ہے اور صدقہ جاریہ کا ثواب بھی ملتا ہے لیکن عام طور پر ان سے روگردانی کی جاتی ہے اور ایسی جگہوں پر مال خرچ کرنے کو اہمیت نہیں دی جاتی۔

اس میں کیا شک ہے کہ رسول کریم ﷺ کی نعت تسکین جان کا سبب ہے محبت رسول کریم ﷺ کی آئینہ دار ہے، ان محافل کا انعقاد روحانی جلاء کا باعث ہے، اپنے آقا سے رشتہ محبت وعقیدت قائم کرنے کا اہم ذریعہ ہے، لیکن ان پر لاکھوں روپے خرچ کردینا اور جہاں اسی آقا ﷺ کے دین کی تعلیم کا اہتمام ہو، ان مدارس کو نظرانداز کردینا قطعاً دانشمندی نہیں، دینی اداروں کا قیام اور ان میں علم حاصل کرنے والے طلباء کے قیام وطعام، کتب اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرنا صدقہ جاریہ بھی ہے اور دین اسلام کے فروغ کا باعث بھی، لہٰذا اس طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جو تنظیمیں اور جماعتیں فروغ دین اور اصلاح اُمت کے لئے کوشاں ہیں اور شرپسند قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہیں ان سے تعاون کرنا، اسلامی لٹریچر چھپوا کر تقسیم کرنا بھی ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

دوسرا عمل جس کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے وہ علم ہے جس سے اُمت مسلمہ کو نفع حاصل ہوتا رہے اگرچہ اس میں بنیادی طور پر وہ علوم شامل ہیں جن کا آخرت کے سنوارنے سے تعلق ہے لیکن ان فنون کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے جن کے ذریعے انسانی زندگی کی آسانی کا سامان پیدا ہوتا ہے، ایسی مصنوعات تیار ہوتی ہیں جن سے انسانیت نفع اندوز ہوتی ہے کیونکہ جہاں حقوق العباد کی ادائیگی اور ان سے آگاہی ضروری ہے وہاں حقوق العباد کی ادائیگی اور ان حقوق سے متعلق علم حاصل کرنا اور اسے پھیلانا بھی لازمی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے محض علم کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ "ینتفع بہ" کے الفاظ ارشاد فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچے کیونکہ اس صورت میں یہ عمل جاری ہوگا اور اس کا ثواب بھی جاری ہوگا۔

اگر کوئی شخص علم حاصل کر کے اسے اپنی ذات تک محدود رکھتا ہے خود اس پر عمل پیرا ہوتا ہے لیکن دوسروں کو اس کے علم سے فائدہ نہیں پہنچتا، تو وہ اس بشارت میں شامل نہیں۔ افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ بعض اہل علم اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے اور جب کوئی حاجت مند ان سے مسئلہ دریافت کرتا ہے تو وہ عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ باقی صفحہ پر

علم کو نفع بخش بنانے کی صورت یہ ہے کہ درس و تدریس، تعلیم و تعلم، تبلیغ و اصلاح اور تصنیف و تالیف کے ذریعے اس علم سے دوسروں کو نفع بھی پہنچایا جائے اور یوں اس علم کو باقی بھی رکھا جائے۔

صاحب علم دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے شاگردوں اپنی تصانیف اور استفادہ کرنے والوں کی صورت میں زندہ رہتا ہے اور مسلسل ثواب حاصل کرتا رہتا ہے اگر کوئی شخص عالم نہیں ہے لیکن وہ علمی مرکز قائم کر کے یا کسی تعلیمی ادارے میں کتب فراہم کر کے فروغ علم میں شریک ہوتا ہے تو اسے بھی اس علم کا ثواب ملتا رہتا ہے جو اس نے اس ادارے یا کتب کی صورت میں چھوڑا ہے اور ایک عرصہ تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

تیسرا عمل جس کا ثواب مسلمان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے اس کی نیک اولاد ہے اگر چہ نیک اولاد بذات خود اپنے نیک کاموں کی وجہ سے باپ کے لئے ثواب کا باعث ہوتی ہے، کیونکہ باپ کی تربیت وہ عمل ہے جو اولاد کے صالح ہونے کا سبب ہے یعنی باپ کی تربیت نے اسے نیک بنایا اب چونکہ اس نیک اعمال کا سبب ماں باپ کی تربیت ہے لہٰذا اس بنیاد پر جب تک وہ نیک اعمال کرتا ہے ان کو ثواب ملتا رہے گا، لیکن اس کے ساتھ "یدعو له" کی قید لگا کر آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ نیک اولاد اپنے ماں باپ کے لئے دعا مانگتی ہے، ان کے لئے فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کا اہتمام کرتی ہے اور اس طرح بھی اس کو ثواب ملتا رہتا ہے۔

یہاں اس بات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اعمال کا ثواب صرف ایمان و اسلام کی صورت میں ملتا ہے لہٰذا یہاں اگر چہ لفظ انسان مطلق فرمایا جو کافر اور مسلمان سب کو شامل ہے، لیکن الانسان میں الف لام سے خاص انسان کی طرف اشارہ کیا گیا یعنی انسان کامل اور وہ یقیناً مسلمان ہی ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں وہ لوگ جو علم حاصل کر کے لوگوں کو عقائد باطلہ کی ترغیب دیتے ہیں اور یوں ان کو گمراہی کے راستے پر ڈالتے ہیں وہ جس قدر تبلیغ و اشاعت کا کام کریں اس بشارت میں شامل نہیں کیونکہ ان کا علم نفع بخش ہونے کی بجائے ضرر رساں ہوتا ہے۔

نیز جو لوگ فوت شدہ مسلمانوں کے لئے دعا کا انکار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بے مقصد بات ہے اور میت کو خود اپنی زندگی میں عمل کرنا چاہیئے تھا اور اس طرح کے حیلے بہانے تلاش کر کے ایصال ثواب سے روگردانی کرتے ہیں وہ قرآن و سنت سے بے خبر ہیں۔ قرآن و سنت کو اپنی خواہشات اور بدعات پر مبنی عقائد سے مقدم رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ جو عقیدہ قرآن و سنت سے متصادم ہو وہ بدعت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔۔۔۔۔۔





العرفان

محمد عبدالقدیر صدیقی قادری حسرتؔ

سابق پروفیسر وصدر شعبہ دینیات
عثمانیہ یونیورسٹی

علامہ عبدالقدیر صدیقی برصغیر ہندو پاک کے نامور عالمِ دین، فلسفہ کے معتبر معلم اور قرآنِ حکیم کے مسلمہ مفسر ہیں۔ تفسیرِ صدیقی کے نام سے قرآن حکیم پر تحقیقی اور تفسیری کام کیا ہے۔ پاکستان میں ان پر بہت کم لکھا گیا۔ اصطلاحی اور عملی تصوف کا انہیں شہریار کہا جاسکتا ہے'' **العرفان** '' تصوف اور حکمت کا شہکار مجموعہ مضامین ہے۔ علمائے قدیم کی طرز پر تفہم تصوف کے لئے ''العرفان'' قسط وار شائع کی جارہی ہے۔ ''

معانی وجود:

واضح ہو کہ وجود کے کئی معنیٰ ہیں (۱) وجود بمعنیٰ کون وحصول، اس کا ترجمہ فارسی میں ''بودن'' اور اردو میں ''ہونا'' ہے۔ وجود اس معنیٰ کے لحاظ سے ایک مصدری اور انتزاعی وصف ہے یعنی ہمارا کسی شے کو دیکھ کر اس کو ''ہے'' سمجھنا اور وجود خیال کرنا جو بمعنیٰ کون وحصول ہے۔

ظاہر ہے کہ مصدری وانتزاعی معنیٰ خارج میں نہیں ہوتا بلکہ صرف ذہن میں ہوتا ہے اور اس کا منشاء منتزع عنہ خارج میں ہوتا ہے۔ کون مصدری معقولاتِ ثانیہ سے ہے۔

مسئلہ وجود کو سمجھنے میں انتزاع، انتزاعی، منتزع عنہ ومعقول ثانی کا سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ لفظ بار بار آئیں گے لہٰذا میں ان الفاظ کی گونہ تشریح وتوضیح کر دینا چاہتا ہوں تا کہ فہم مطلب میں کچھ دقت ودشواری واقع نہ ہو۔

دیکھو! خارج وواقع میں، زید ایک چیز ہے۔ جب زید کا تصور وخیال ذہن میں آتا ہے تو عقل معنیٰ زید کی تحلیل اور ایک شئے سے کئی معنیٰ کو سمجھتی اور ہر ایک کو جدا جدا خیال کرتی ہے۔ مثلاً زید کا ناطق اور بافہم ہونا، زندہ ہونا، نشو ونما پانا، طول وعرض وعمق رکھنا یعنی جسم ہونا، مستقل وجود ہونا، یعنی جوہر ہونا، لہٰذا یہ صفات انتزاعی ہیں۔ زید اس کا منشاء یا منتزع عنہ ہے۔ ذہن کے مقابل خارج، بیان کے لحاظ سے واقع، انتزاع کے اعتبار سے منتزع عنہ حکایت کے مقابل محکی عنہ کہتے ہیں (المعارف حصہ دوم)

اس مقام پر چند امور قابل بیان ہیں جن کے نہ سمجھنے سے بڑے بڑے اختلافات پیدا ہوتے ہیں

وجود: جس پر آثار مرتب ہوتے ہیں۔

ذات: مرجع صفت کو کہتے ہیں، یعنی موصوف اور متصف کو ذات کہتے ہیں۔

صفت: وہ غیر مستقل شے جو کسی مستقل شے سے متعلق ہو۔

اسم: ذات وصفت کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

پس قدرت صفت ہے۔ اللہ اس کی ذات یا موصوف ہے قدیر اسم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت سے موصوف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح رحم یا رحمانیۃ یا رحیمیۃ صفات ہیں۔ ذاتِ حق ان کی ذات یا موصوف ہے اور رحمٰن یا رحیم اسم الٰہی ہے اور ذاتِ الٰہی ان کی ذات یا مسمیٰ ہے۔

یہیں سے معلوم ہو گیا کہ اسم الٰہی بلحاظ منشاء عین مسمیٰ ہے اور اس کے معنے یہی ہیں کہ رحیم، رحمٰن، قدیر سب کی ایک ہی ذات، ایک ہی منشاء ہے جو ذات حقہ وعینِ واجبہ وہویۃ الٰہیہ ہے۔ (حکمتِ اسلامیہ ص ۳)

صفات دو قسم کی ہیں:

۱۔ انضمامی: وہ صفت جس کو خارج میں ایک قسم کا استقلال ہوتا ہے، مگر ایسا استقلال نہیں جیسا جوہر کو ہوتا ہے۔ مثلاً دیوار کی سپیدی کہ ہم اس کو ایک طور سے خارج میں ہے کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ انتزاعی: وہ صفت ہے جو خارج میں نہیں پائی جاتی بلکہ خارج میں اس کا موصوف یا منشاء یا منتزع عنہ پایا جاتا ہے اور اس سے یہ انتزاعی صفت سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً خارج میں آسمان، زمین پائے جاتے ہیں، مگر آسمان سے فوقیت یعنی اوپر ہونا سمجھا جاتا ہے اور زمین سے تحتیت یعنی نیچے ہونا اختراع کیا جاتا ہے۔

انتزاعی صفت بھی دو طرح پر ہوتی ہے ایک وہ اختراعی صفت جس کو ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم نے اس کو خارجی حالت سے انتزاع کیا یا خارج میں موصوف ومنتزع عنہ کے ضمن میں وہ غیر مستقل طور سے موجود ہے۔ جیسا آسمان سے فوقیت جیسا کہ گزرا۔ انتزاع صفت جو اس قسم کی ہو ''معقول اولیٰ'' کہلاتی ہے کیونکہ خارج میں سمجھی گئی اور انتزاع کی گئی ہے۔

دوم، وہ صفتِ انتزاعی جو خارج میں کسی طرح پر نہیں پائی جاتی بلکہ معنیٰ خارج یعنی وہ ذات جو خارج سے ذہن میں آئی ہے یا یوں کہو کہ معقول اولیٰ کے ذہن میں آنے کے بعد یہ صفت انتزاعی عارض ہوتی ہے ایسی انتزاعی صفت کو ''معقول ثانی'' کہتے ہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ وجود بمعنیٰ کون وحصول معقولاتِ ثانیہ سے ہے اور وہ خارج (واقع محکی عنہ، منشاء) میں نہیں پایا جاتا۔

۲۔ وجود بمعنیٰ ما بہ الموجودیت یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے ہم کون وحصول کو جو مصدری معنیٰ ہے انتزاع کرتے ہیں۔ وجود بمعنیٰ ما بہ الموجودیت کو ہمارے ذہن کے سوائے خارج میں بھی ہونا ضرور ہے، یعنی وجود بمعنیٰ کون کا منشاء ومنتزع عنہ وجود بمعنیٰ ما بہ الموجودیت ہوتا ہے اور اس کو خارج میں ہونا چاہیئے کیونکہ بلا منشاء کے کسی شئی کو ''ہے'' کہنا غلط، کذب، جہل ہوگا پھر وجود بمعنیٰ کون ذہنی امر ہے اور وجود بمعنیٰ ما بہ

الموجودیت خارجی شئے (المعارف حصہ دوم)

(مابہ الموجودیۃ اور کون وحصول کو حضرت نے اپنی کتاب حکمت اسلامیہ میں اس طرح سمجھایا ہے)

''مابہ الموجودیۃ'' وہ خارجی شے ہے جس کو دیکھ کر ہونے کے معنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔

''کون یا حصول'' ہونے کے معنیٰ جو مابہ الموجودیۃ کو دیکھ کر سمجھے جاتے ہیں خارج میں مابہ الموجودیۃ پایا جاتا ہے۔ خارج سے ذہن میں صورت آتی ہے۔ عقل (جس کا کام ملانا، خلط وتعریہ، وصل وفصل، تحلیل وترکیب ہے) اس کی تحلیل کرتی ہے اور شئے کو جدا اور وجود کو جدا کرتی ہے۔ مثلاً زید کو الگ اور ''ہے'' کو الگ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں زید ہے۔

پس زید مابہ الموجودیۃ ہے اور زید کو جو ہے کہتے ہیں یہ ''کون وحصول ہے پس کون وہ انتزاعی ''مصدری'' سمجھے جانے والے معنیٰ ہیں جو ذہن میں رہتے ہیں۔ (حکمت اسلامیہ، ص:۲)

۳۔ وجود بمعنی ظہور یعنی چیز ہے اور ہم کو معلوم بھی ہے کہ وہ ہے مگر اس کا ظہور، نمود بعد کو ہوا مثلاً زید پیدا ہو کر زمانہ ہو گیا ہے اور ہم کو معلوم ہو کر کہ وہ پیدا ہو گیا ہے۔ ایک عرصہ ہو گیا ہے مگر وہ پہلے ایک شہر میں تھا اب ہمارے شہر میں آ گیا ہے یا پہلے وہ حجرے میں تھا اب دالان میں آ گیا ہے، تو ہمارے سامنے اب ظہور ہوا۔ نہ یہ کہ وہ نیست سے ہست ہوا یا اس کے وجود کا علم اب ہوا۔

اس کے بعد واضح ہو کہ وجود بمعنی کون وحصول بالاتفاق انتزاعی امر ہے حکماء متکلمین میں اختلاف ہے تو مابہ الموجودیت میں ہے۔ میں ان مذاہب میں سے چند اہم مذاہب کو بیان کرتا ہوں۔

حکمائے اشراقین اور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ وجود بمعنی مابہ الموجودیت خود ماہیات کی ذاتیں ہیں اور خارج میں ماہیات کے سوائے اور کوئی چیز نہیں۔ اثر، جعل اور پیدا کرنے کا نفسِ ماہیت ہے، یعنی خدائے تعالیٰ نفس شئی کو نیست سے ہست، معدوم سے موجود، لیس سے ایس ''نہیں'' سے ''ہے'' کر دیتا ہے اور خارج میں ایک ہی ایک چیز ہے یعنی نفسِ ذات، لہٰذا اس کو ''جعل بسیط'' کہتے ہیں۔ کہ وہ موجود نہیں اس مابہ الموجودیت اور ذات کو بعد خلق وجعل اور پیدا ہو جانے کے مرتبہ تقرر وتحقق کہتے ہیں اور ذہن میں انتزاع کئے جانے اور منشاء آثار اور مرجع ہونے کے لحاظ سے موجود کہتے ہیں، اور یہ مرتبہ وجود کا سمجھا جاتا ہے۔

تقریر بالا سے ظاہر ہے کہ وجود کا منشاء نفسِ ذات ہے جس جگہ اور جس لحاظ سے وہ ذات ہوگی اسی جگہ اور اسی لحاظ کا وجود کہلائے گا۔ ذہن میں ہے تو وجودِ ذہنی ہے اگر ذات خارج میں ہے تو وجود خارجی۔

پس اس مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ واقع ونفس الامر میں صرف ایک چیز یعنی ذات ہے اور بعد انتزاع دو چیزیں، نفس شئی اور اس کا وجود ہے مثلاً جملہ ''زید ہے'' کو دیکھو! ذہن میں دو چیزیں ہیں لفظ ''زید'' اور لفظ ''ہے'' اور خارج میں صرف ایک چیز ہے یعنی ذات زید۔

یہ مذہب عوام الناس کے خیال سے بالکل قریب ہے عموماً لوگ ''وجود'' ہے سے یہی معنیٰ سمجھتے ہیں۔ مشائین کا مذہب وجود کے متعلق یہ ہے کہ ماہیات خود نہ موجود ہیں نہ معدوم۔ وجود ایک صفت ہے کہ ماہیت سے مل جاتی ہے تو ماہیت کو موجود کہتے ہیں۔ جدا ہو جاتی ہے تو معدوم۔ پیدا کرنے، جعل اور خلق کا اثر، ماہیت کو وجود سے ملاتا ہے اور ربط ماہیت بموجود ہے جس طرح رنگریز کپڑے کو نہ کپڑا بناتا ہے نہ رنگ کو رنگ بلکہ کپڑے کو رنگ سے ملاتا ہے۔ اس مذہب کی رو سے پیدا کرنے خلق اور جعل کو ''جعل مرکب'' کہتے ہیں۔

غرض کہ واقع اور محکی عنہ میں جعل بسیط کے لحاظ سے ایک چیز یعنی صرف ذات رہتی ہے اور جعل مرکب کے لحاظ سے دو چیزیں۔ ذات اور وجود۔ یہ مذہب عامۃ الناس کے خیال سے نہایت بعید ہے، ہم آئندہ ثابت کریں گے کہ یہ مذہب بھی غلط نہیں اور اس کا محل صحیح کیا ہے؟

صوفیہ صافیہ کا مذہب ہے کہ وجود ایک حقیقی مابہ الموجودیت شئے ہے۔ وہ جزئی حقیقی ہے۔ ناقابل تکثر ہے۔ اس کا کوئی شریک ہے نہ مقابل لا ضد و لا ندلہ اگر کوئی اس کا مقابل ہو سکتا ہے تو یہ نیستی بحث، عدم محض اور سلب بسیط، مگر سلب بسیط ہے کہاں؟ اور کیوں کر ہو سکتا ہے کیونکہ کو کچھ موجود ہوگا تو وجود ہی ہوگا کوئی شئی بذاتہ ہو یا دوسرے کی وجہ سے وہ ضرور وجود ہی ہوگا یا اس کا نمود ہوگا کوئی شئے وجود سے پہلے نہیں، نہ وجود کے بعد ہے کیونکہ کسی شئی کا بغیر وجود کے ہونا ناممکن ہے۔ وجود کسی کا محتاج نہیں، سب وجود کے محتاج ہیں، وجود خود وجود ہے۔ خود موجود ہے۔ خود سب کا منشاء، خود سب کا منتزع عنہ ہے۔ وہ واحدِ محض ہے اور اس سے کثرت منتزع ہوتی ہے۔ سلب بسیط جو اس کا (وجود کا) مقابل ہے۔ خارج میں لفظ بلا معنیٰ، اسم بلا مسمیٰ، مفہوم بلا مصداق ہے، کیونکہ جو کچھ ہوگا تو وجود ہوگا۔ سلب بسیط اور ہونا، اجتماع نقیضین ہے اور انقلاب حقائق، ذرا اس بات پر غور کرو! زید ہے، گھوڑا ہے، درخت ہے، پہاڑ ہے، فرشتہ ہے، ان سب چیزوں میں ''ہے'' کے معنی کہیں کچھ، کہیں کچھ ہیں یا سب جگہ ہونے اور ''ہے'' کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔ یہ بات بالکل بدیہی اور واضح وروشن ہے کہ ان تمام جملوں میں ہر

جگہ "ہے" کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک ان میں سے کوئی مشترک امر نہ نکلے کیونکر ان سے ایک مشترک چیز کا ہونا سمجھا جا سکتا ہے اور کیونکر سب کو "ہے" کہہ سکتے ہیں۔

غرض کہ وجود بمعنی کون وحصول جو سب سے سمجھا اور انتزاع کیا جاتا ہے ایک ہے انتزاعی کا اشتراک اس کے منشاء کے اشتراک پر دلالت کرتا ہے اس کا صدق اس کے منشاء کے ہونے پر موقوف ہے۔ اس کا کذب منشاء کے نہ ہونے پر، یہ امر بین ہے کہ ماہیات بغیر وجود کے پائے نہیں جا سکتے، کیونکہ پایا جانا اور پھر موجود نہ ہونا۔ اس کے کیا معنی۔ وجود ہی سے ماہیات پائے جاتے ہیں۔ وجود کی رنگا رنگی اور بوقلمونی ماہیات سے پیدا ہوتی ہے۔ وجود اصل ہے اور ماہیات وحقائق اس کے تعینات۔ وجود حقیقی جو وحدت صرف اور محض ایک شئے ہے اس کو ماہیات سے نسبت کرتے ہیں تو وجود میں ایک قسم کا تکثر پیدا ہوتا ہے اور واحد کثیر معلوم ہونے لگتا ہے نیز ماہیات جو خارج میں موجود نہیں۔ موجود خیال کئے جانے لگتے ہیں۔ غرض کہ اس اضافت ونسبت سے واحد کثیر اور معدوم موجود معلوم ہوتا ہے، مگر نفس الامر میں اور واقع میں اور حقیقۃً واحد واحد ہی ہے اور معدوم معدوم۔

ہر چند کہ ماہیات کو وجود سے جو ربط ہے وہ اس سے اعلیٰ ارفع ہے کہ کائنات میں اس کی کوئی مثال لے لیس کمثلہ شئی تاہم سمجھانے کے لئے کوئی مثال دینی ہی پڑے گی۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح ۔ ماہتاب اور وجود کی مثال دیکھنا چاہتے ہو تو تھوڑا سا موم لو اور اس سے کبھی گھوڑے کی صورت بناؤ اور کبھی آدمی کی صورت۔ ذرا غور کرو خارج میں موم کے سوائے کوئی اور چیز بھی ہے جو گھوڑا کہلاتی ہے؟ خارج میں تو صرف موم ہے گھوڑا اس کا تعین ہے موم میں مختلف صورتیں بدلنے کی قابلیت تھی گھوڑا اس میں ایک صورت ہے کیا ان صورتوں کے بدلنے سے موم کی حقیقت پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ کچھ بھی نہیں کیا ان صورتوں کے اختلاف سے موم کی وحدت کثرت سے یکی یکتائی دوئی دو ہونے کی وجہ سے بدل گئی ہے؟ موم ایک کا ایک ہے کثرت دوئی، اشکال وصور میں ہے۔ کیا نفس موم میں کوئی تغیر وتبدل ہوا ہے؟ نہیں۔ موم جوں کا توں ہے تو پھر یہ کثرت کہاں ہے؟ خیال میں، اعتبار میں، سمجھنے میں، کیا یہ ذرا اعتبار وتخیل ہے؟ کیا یہ صرف پندار ووہم ہے؟ نہیں یہ خیال موم سے انتزاع کیا گیا اور سمجھا گیا ہے۔ من گھڑت اور اختراع محض نہیں ہے، بلکہ یہ اعتبار واقعی ونفس الامری وحقیقی ہے۔ کسی کے نہیں خیال کرنے سے یہ کبھی باطل نہ ہوگا۔ اس کا منشاء موجود ہے۔ اس لئے یہ سچا اور خیالِ صادق ہے۔

مٹی سے ظروف بنائے جاتے ہیں۔ کبھی خم، کبھی سبو، کبھی صراحی، کبھی پیالہ، کیا اشکال کے بدلنے سے مٹی بدل گئی؟ ہرگز نہیں، مگر ہر شکل کے بدلتے ہی نام بدل گیا۔ حکم بدل گیا۔ خم میں کئی سبو پانی سماتا ہے۔ مٹی سبو کی شکل میں ہوتی ہے تو کئی صراحی پانی کی گنجائش رکھتی ہے۔ سبو زمین پر رہتا صراحی ہاتھ میں بھی رہتی ہے۔ پیالہ ہونٹوں تک پہنچتا ہے۔ ٹوٹ کر پارہ سفال اور ٹھیکرا رہ جاتا ہے تو اس سے پلیدی اٹھائی جاتی ہے۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(جامی)

ذرا سبو کی تحلیل کرو۔ اس میں کیا کیا ہے؟ سبو کی صورت اور مٹی۔ اسی طرح وجود میں کیا کیا ہے؟ وجود ماہیت۔ ماہیت کو وجود سے علیحدہ کر کے دیکھو۔ وہ کیا کوئی حقیقی شئے ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ صرف ایک وہمی، فرضی، خیالی شئے ہے۔ وجود سے ماہیت ملے گی تو ایک حقیقی شئے بنے گی ورنہ کچھ بھی نہیں۔ وجود کو جس موجود میں دیکھو گے ایک ہی پاؤ گے۔ ظرف، ذہن ہو یا خارج، ظاہر ہو یا باطن، وجود تو ایک ہی چیز ہے اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ وجودِ ذہنی وجودِ خارجی میں وجود ایک مشترک معنوی ہے نہ کہ مشترک لفظی جیسا کہ بعض کا خیال ہے نیز وجودِ ذہنی کو ثبوت کہو اور وجود خارجی کو وجود۔ ہے ایک ہی چیز صرف اصطلاح کا فرق ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصلاح اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تعینات وخصوصیات بمنزلہ قالب وہمی ہیں اور خیال سانچے کے مانند۔ خارج اور واقع میں صرف ایک ہی چیز ہے۔ "وجود"۔

اسی طرح روئی سے مختلف لباس کی صورتیں، دریا پر متعدد موجیں پیدا ہوتی ہیں۔ مربع، مثلث، کرہ، گھر، مٹی موم وغیرہ سب کے بنتے ہیں اگر ان مواد کو ہٹا دو تو ان اشکال کا کہیں نام ونشان نہیں ملے گا۔ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوا کہ اشکال وصور وہی، فرضی، خیالی چیزیں ہیں ان کا کوئی مستقل وجود نہیں بلکہ وجود کی بو تک نہیں پہنچتی۔ کہاں وہمی، بالعرض، باطل چیز، کہاں حقیقی بالذات، حق، اتنا ضرور ہے کہ ان کو وجود حقیقی سے ایک نسبت وعلاقہ وربط ہے۔ جس کی کیفیت مجہول ہے۔ وجود کی طرف نسبت کرنے ہی کی وجہ سے ان کو موجود کہتے ہیں۔

چونکہ تعینات وجود کے باوجود غیر مستقل اور خیالی ہونے کی ان پر حقیقی آثار مرتب ہوتے ہیں ان کو معمولی فہم اچھی طرح سے ادراک نہیں کر سکتی اس لئے میں اور متعدد مثالیں دوں گا کہ خوب سمجھ میں آجائے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

عناصر باہم ملتے ہیں تو جمادات بن کر کیا کیا رنگ لاتے ہیں۔ کہیں سرخ یاقوت، کہیں پکھراج، کہیں سبز وزمرد، کہیں نیلا نیلم، کہیں قاتل سنکھیا، کہیں تریاق زہر مہرہ، کہیں کوئلہ بن کر الماس اور پنسل کی سلائی۔ یہی عناصر درخت بن کر کیا کیا تماشے دکھاتے ہیں۔ جڑ، پیڑ، ڈالیاں، پتے، پھل، پھول، کہیں مزیدار آم، کہیں شیریں انجیر، کہیں لطیف انگور، کہیں پاکیزہ سیب، پھر کہیں تلخ حنظل، کہیں ترش لیمو، کہیں تیز خریف مرچ، کہیں کوئی کسیلا، کہیں کوئی پھیکا، یہی عناصر حیوان کی شکل لیتے ہیں تو کیا کیا حیرت انگیز صورتیں دکھاتے ہیں۔ گراں ڈیل ہاتھی، طاقتور شیر، تیز رفتار گھوڑا، صابر اونٹ، بارکش دراز گوش، پھر جانور ہی میں سخت ہڈی، نرم گوشت، سیاہ بال، سفید پٹھے ناخن، سم، کھر، آخر یہ سب عناصر ہیں ان کے باہم اختلاط ترکیب سے کبھی کبھی مختلف الآثار گوناگوں رنگ کی بوقلموں احوال کی چیزیں بن گئی ہیں۔ غرض کہ ایک ہی چیز مختلف تعینات میں جدا جدا حکم رکھتی ہے۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وجود ایک شئے ہے۔ جو بذاتہٖ خاص متعین، متشخص، ناقابل تکثر جزی حقیقی ہے۔ اس کو کثرت عارض ہوتی ہے تو ان وہمی صور، خیالی اشکال اور ماہیات وحقائق کی نسبت کی وجہ سے۔ پس وجود کے دو تعین وتشخص ہوئے ایک تعین ذاتی خارج میں، دوم تعین عرضی واعتباری، صفات واشکال کی وجہ سے ذہن میں بعد انتزاع اور سمجھنے کے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ تم متعین ومتشخص ہو مگر تم کبھی کھڑے رہتے ہو کبھی بیٹھتے ہو، کبھی لیٹتے ہو، یا یوں سمجھو کہ تمہارے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں کہ وہ طمانچہ بنتی ہیں، کبھی گھونسا، کبھی چٹکی باوجود ان مختلف صورتوں میں ہاتھ کا تعینِ ذاتی کبھی نہیں بدلتا۔ ایک انگلی زیادہ ہوئی نہ کم، ایک ناخن زیادہ نہ ہوا۔ ہتھیلی میں کا ایک خط کم نہ ہوا۔ بہر حال ذاتِ وجود میں کثرت کی گنجائش نہیں اور کلیت کو رسائی نہیں۔ ہاں موجود اعتباری کلی ہوتی ہے۔ جو ماہیت اور نسبت الی الوجود کا نام ہے نہ کہ وہ خود حقیقی وجود ہے۔ (المعارف حصہ دوم)

(وجود حقیقی کے بارے میں حضرت نے حکمت اسلامیہ میں اس طرح تشریح فرمائی ہے)۔

وجود حقیقی کو، وجود بالذات، واجب، لاتعین، مطلق غیب، مطلق وحدت، لابشرطِ شئے بھی کہتے ہیں

وجود کے سوائے دوسرے صفات الٰہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے تو اسماء الٰہی منتزع ہوتے ہیں۔ موجود کا منتزع عنہ، صرف ذات الٰہی ہے بلا لحاظ دیگر حالات وصفات کے۔

وجود حقیقی یا وجود بمعنے مابہ الموجودیت یعنی وہ شئے جس کی وجہ سے جس کو دیکھ کر ہم چیز کو "ہے" سمجھتے ہیں۔ نفس الامر واقع میں ہے۔ دنیا تمام بے حقیقت اور لغو، بلا منشاء خیالی اور جھوٹ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ساری دنیا جھوٹ ہے، بے منشاء، خیالی اور لغو ہے تو ایسا خیال خود غلط ہے۔ ساری دنیا کو جھوٹا کہنے والا، خود جھوٹا ہے، کیونکہ دنیا میں وہ خود بھی شامل ہے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا ہے اور دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ بھی ہیں۔ یہ سب چیزیں انتزاعی اور خیالی ہیں قبول! مگر یہ ساری دنیا کا قیام ہے کس پر؟ اب ہم کہتے ہیں وجود بمعنے مابہ الموجودیۃ یا وجودِ حقیقی کے مقابل کیا شئے ہے؟ صرف عدمِ محض، سلبِ بسیط، نیستی بحث۔ بھلا عدمِ محض کیونکر موجود ہو سکتا ہے۔ اگر عدم محض موجود ہو تو انقلاب ماہیت یا اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔

وجودِ حقیقی بذاتہ موجود ہو گا یا اس کو کوئی دوسرا موجود کرے گا۔ یا وہ کسی دوسری شئی سے منتزع ہو گا؟ اگر وجودِ حقیقی کو کوئی دوسرا موجود کرے یا دوسری شئے سے وجودِ حقیقی منتزع ہو، تو وہ دوسری شئے ہی وجود حقیقی ہو گی اور یہ وجودِ بالغیر اور وجودِ بالعرض اور وجودِ غیر حقیقی ہو جائے گا اور یہ خلافِ فرض اور اجتماع نقیضین ہے۔ کیا وجودِ حقیقی سے پہلے عدم یا بعد عدم ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ورنہ انقلاب حقائق لازم آئے گا۔ دوسرے وجودات کس سے رونما ہیں؟ وجودِ حقیقی سے، مابہ الموجودیۃ ہے۔

بتاؤ جو شئے سب کی اصل ہو، حقیقی وجود ہو، بالذات موجود ہو، ازلی وابدی ہو، جس کی ساحت عزت تک عدم کو قدم نہ ہو۔ تمام موجودات کا مرجع ومآب وہی ہو، اس کا نہ کوئی ضد ہو نہ ند، وہ ہے کیا؟ لاریب واجب الوجود ہے۔ منبع الجود ہے۔ حق معبود ہے۔ **قل هو الله احد. الله الصمد. لم يلد و لم يولد. ولم يكن له كفواً احد۔**

ممکنات، جائزات، مخلوقات کا وجود، کیا ان کا عینِ ذات ہے؟ یا ان کی ذوات کو لازم ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر وجودِ ذوات ممکنہ کا عین یا لازم ہوتا تو وجود ان سے کبھی جدا ومنفک نہ ہوتا، کیونکہ شئے سے اس کی ذات وذاتیات اور لوازم کبھی چھوٹ نہیں سکتے۔

پس جب وجود ذاتِ ممکن کو لازم نہیں، اور ممکن بالذات، موجود بالذات نہیں، تو ضرور ایک ایسی ذات ہو گی جس کا وجود، عینِ ذات ہو اور وہ واجب الوجود بالذات، خود واجب بالذات ہو اور ممکنات کو اپنے وجود سے واجب بالغیر بنائے۔

اور دیکھو زید کھڑا ہے، گھوڑا کھڑا ہے، درخت کھڑا ہے اسی وقت کہہ سکتے ہیں جب کہ ان سب میں ایک ایسی حالت مشترک ہو جس کو دیکھ

کر کھڑے رہنے کو منتزع کر سکیں، یعنی انتزاعی کا اشتراک، منتزع عنہ کے منشاء کے اشتراک پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح زید ہے، گھوڑا ہے اسی وقت کہہ سکتے ہیں، جب ان سب میں اس ''ہے'' کا منشاء مشترک موجود ہو وہی تو مابہ الموجودیۃ ہے، جو عینِ ذات واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ کون وحصول کا بے شک ان صورتوں میں بھی ایک مشترک منشاء ہے کون جو انتزاعی ہے اس کے اشتراک سے، اس کے منشاء مابہ الموجودیۃ کا اشتراک لازمی امر ہے، نیز اگر وجود عینِ ذات وجود نہ ہو تو غیرِ ذات ہوگا، اس وقت واجب اپنے غیر یعنی وجود کا محتاج ہوگا۔ پس واجب واجب نہ رہا کیونکہ احتیاج شانِ وجوب کے خلاف ہے، نیز اس صورت میں استعمال بالغیر لازم آتا ہے۔

یہ بھی ایک دلیل ہے کہ وجود اگر عینِ ذات نہ ہو بلکہ زائد از ذات ہو تو وجود، واجب کے لئے مثل اور صفات کے ثابت ہوگا اور چونکہ کوئی چیز کسی شئے کے لئے اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ شئے موجود نہ ہو لے یعنی ثبوت شئی لشئی فرع ثبوت المثبت لہ۔

پس پہلے واجب موجود ہوگا پھر اس کے لئے وجود ثابت ہوگا۔ واجب موجود ہونے کے معنی ہوئے۔ اس کے لئے وجود ثابت ہے۔ پس اس وقت دو وجود ہوئے ایک جانب ذات وثبت لہ۔ دوم جانبِ صفت یہ دونوں وجود ایک میں تو تقدم الشئی علی نفسہ اور دور لازم آئے گا اگر دونوں آپس میں غیر ہیں تو اس وجود کے متعلق جو جانب ذات ہے، پھر یہی سوال اٹھے گا اور تسلسل لازم آئے گا۔ خود ایک شئے کا دو وجودوں سے پایا جانا، کیا کچھ مضحکہ انگیز نہیں۔

شھد اللہ ان لاالہ الاھو والملائکۃ والو العلم قائماً بالقسط

جب موجود عین ذات واجب ہوا، تو بے چارے ممکن کے لئے کیا رہا، وہی عدمِ ذاتی، وہی بطلانِ حقیقت وہی نیستی اصلی، وہی اعتباریت وہی مجازیت۔

دیکھا تو کچھ نہ پایا سوچا تو بس یہ سمجھا
اک نام رہ گیا ہے میرا تری گلی میں

(حسرت)

جب ممکن خود باطل الحقیقۃ اور معدوم بالذات ہے، بلکہ حالتِ وجود میں بھی اپنے بطلان ذات وعدم ذاتی سے نہیں نکلتا۔ چودھویں رات کا چاند اپنی پوری چمک ودمک کی حالت میں بھی ذاتی بے نوری سے نہیں نکلتا۔ سمجھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ نورِ خورشید ہی ہے جو قمر پر پڑ کر نمایاں ہے اور قمر کی اصلی حالت وہ ہے جو چاند گرہن اور سورج گہن کے وقت معلوم ہوتی ہے، پس ممکن دوسرے ممکن کو کیونکر پیدا کر سکتا ہے ایک مردہ دوسرے مردے کو کیا زندہ کر سکتا ہے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

لہٰذا کوئی ممکن کسی ممکن کی علت نہیں ہو سکتا۔ علیت صرف ذات حق میں منحصر ہے۔ ہاں نظامِ اسباب اس کی حکمت بالغہ کے ظہور کا محل ہے۔ (حکمت اسلامیہ)

اس موقع پر چند مکاتیب خیال پیش کئے جاتے ہیں جن کو حضرت نے ''مکاتیب عرفان'' میں تحریر فرمایا ہے۔

اہل غیریت:

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہمارا وجود خدائے تعالیٰ سے وابستہ ہے اور کوئی شئے اللہ تعالیٰ سے مرتبط ہوئے بغیر موجود نہیں ہے، مگر خدا اور بندہ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بندہ کا وجود خدا کا عطیہ ہے البتہ جو لوگ ذکر وشغل کرتے ہیں ان کو حق تعالیٰ کی قربت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ حق تعالیٰ میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ خود کو بھول جاتے ہیں مگر الرب رب و ان تنزل والعبد عبد وان ترقی جس طرح کہ لوہا آگ کی قربت سے آگ کی طرح لال انگارا ہو جاتا اور آگ کے صفات حاصل کر لیتا ہے اور انا النار پکارتا ہے اور آگ ہی کی طرح جلاتا بھی ہے مگر کب تک؟ جب تک اس کو آگ کی قربت حاصل ہے، پھر جہاں اس سے جدا ہوا وہی لوہے کا لوہا ہے، وہی کالے کا کالا، وہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا اب نہ وہ انا النار ہے، نہ جلانا، نہ وہ چمک ہے، نہ وہ سرخی اسی طرح ایک انسان کو اپنی بندگی کا خیال رکھنا چاہیئے۔

انسان اور اس کی خود نمائی
بندہ اور دعویٰ خدائی

(حسرت)

او نادان! سراپا نسیان، کیا خدائی کا دعویٰ کرتا ہے ارے! خدا تو وہ ہے جس نے تجھے اور ساری دنیا کو پیدا کیا۔ خدا صمد ہے اس کو کسی کی

حاجت نہیں وہ الآن کما کان ہے۔ وہ ناقص نہ تھا کہ بعد میں کامل ہوا، تو سراپا احتیاج ہے کل کچھ تھا آج کچھ ہے، کل کچھ ہو جائے گا۔ اس لئے خدا کے آگے سر نیاز جھکا دے، تو بندہ ہے سرافگندہ رہ، دیکھ نیستی میں ظہور ہستی ہے۔ جہل میں علم، ظلمت میں نور، عاجزی میں قدرت اسی طرح سماعت بصارت یہ سب اعدام ہیں اور ان سے صفات الٰہیہ کا ظہور ہو رہا ہے تمام انبیاء اور اولیاء خود حبیب خدا ﷺ ہمیشہ ان کے پیش نظر ان کی نیستی فراتی رہتی اور وہ اپنے کو بندہ ہی کہتے رہے۔

اونادان! تو کبھی قرآن شریف پڑھا بھی ہے۔ دیکھ اس میں کیا ہے **لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملئکۃ المقربون** (النساء) مسیح علیہ السلام اور مقرب فرشتے خدا کے بندے ہونے کو عار نہیں سمجھتے۔ دیکھو! رسول خدا محمد مصطفےٰ ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ **اللھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماضٍ فی و عدل فی قضائک**'' خدایا بلاشک میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں میرے موئے پیشانی تیرے ہاتھ میں ہیں میرے متعلق تو جو حکم دے وہ ہو کر رہے گا۔ تو جو فیصلہ فرمائے وہ عین عدل ہوگا۔'' جو جتنا بڑا ہوگا اس کی بندگی بھی اتنی بڑی ہوگی۔

صاحبو! ہمارے زمانے میں ایک صاحب تھے جو ہر شئے کو خدا کہتے اور خود کو بھی خدا سمجھتے۔ مرید یا شاگرد نے عرض کیا، حضرت مجھے خدا کے دیدار سے سرفراز کیجئے۔ اس کی صورت دکھا دیجئے! تو پیر صاحب نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا کہ یہ ہے۔ اور پکار کر کہہ دیا **فاینما تولو فثم وجہ اللہ** شاگرد تھا بڑا گستاخ، اس نے لحیہ مبارک پکڑی اور لگا ڈنڈے سے خبر لینے اور کہنے لگا، تو نے میری بیوی اور بچوں کو مارا، باپ دادا کو قبر میں سلایا، خود مجھے کس قدر سختی میں رکھا ہے، نہ تن کو کپڑا ہے نہ پیٹ بھر کھانا۔'' پیر صاحب فرمانے لگے کہ ''اس مسئلے کو تو سمجھ تو سہی'' شاگرد کہنے لگا کہ میں خوب سمجھ چکا۔ اب آپ سے سمجھ لیتا ہوں۔

مجھے ایک اور واقعہ بھی یاد ہے ایک صاحب اللہ نما، یا خدا نما، یا اور کوئی نما ایک امیر کے گھر دعوت میں تشریف لائے، دسترخوان پر مزے مزے کے کھانے، قسم قسم کی چٹنیاں، پلاؤ، مرغ پلاؤ، کباب، شکم پور، قورمہ، روٹی سب تھا، غرض کہ دعوت میں بڑا اہتمام تھا۔ شاہ صاحب کھانے سے فارغ ہونے کے بعد فرمانے لگے ''خدا کی جوتی کہاں ہے لاؤ'' وہاں ایک جاروب کش عورت کھڑی ہوئی تھی بے ساختہ کہہ اٹھی۔ ''ارے تو کیا خدائی کرے گا تجھے تو اپنی جوتیوں کی بھی خبر نہیں، توبہ کر اور خدا سے ڈر۔'' ان اہل تمیز کو شہودی کہتے ہیں اور یہ لوگ ہمہ ازوست کے قائل ہیں۔

اہل توحید یہ فرماتے ہیں کہ:

موجود بالذات صرف خدائے تعالیٰ ہے اور جس قدر جتنے موجودات ہیں وہ سب خدا کی صورتیں ہیں۔ امتیاز کے لئے مختلف نام رکھ دیئے گئے ہیں۔ یعنی تمام موجودات عین حق ہیں، پس خدا کے سوا بندے کو بھی موجود سمجھنا شرک ہے۔ بھلا کس کی مقدور ہے کہ خدا کے سامنے اپنے موجود ہونے کا دعویٰ کر سکے۔

زعم باطل کی بادہ مستی کب تک
ناداں یہ ادعائے ہستی کب تک
تو بھی موجود اور حق بھی موجود
ظالم یہ شرک و خود پرستی کب تک

(حسرت) رباعی

دیکھو خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں **ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن** (الحدید) وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ سنو! قاعدہ یہ ہے کہ جب اضداد بیاں کئے جاتے ہیں جیسے روز و شب، لیل و نہار، خورد و بزرگ، زن و مرد تو اس سے کل اور سب افراد مراد ہوتے ہیں اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب خبر پر ال یعنی الف لام آتا ہے تو حصر کے معنے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا اس آیت کے معنیٰ یہی ہوئے کہ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔

وحدت میں اس کی حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال جو صورت دکھا سکے
وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے
وہی سب کچھ ہے تو پھر کیا ہوں میں

جانتا ہوں کہ میں کچھ ہوں لیکن
پر یہ معلوم نہیں کیا ہوں میں

صاحبو! ہم زید وعمر کو دیکھتے ہیں تو ان میں انسانیت مشترک پاتے ہیں۔ کیا انسانیت کا مشترک ہونا غلط اور خلاف واقعہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، یقیناً ان میں انسانیت مشترک ہے۔ وہ خارج میں نفس الامر میں ہے۔ واقع میں ہے اچھا! انسان، حیوانات، نباتات اور درختوں میں کیا چیز مشترک ہے؟ نامی ہونا۔ اب ان کے ساتھ پہاڑوں اور مٹی کو بھی ملالو، تو ان میں جسم ہونا مشترک ہے اچھا ان کے ساتھ ارواح اور فرشتوں کو ملالو تو امکان یعنی ممکن ہونا مشترک ہے، اب ممکن اور واجب دونوں کو ملالو تو وجود مشترک ہے، یعنی سب پر موجود کا لفظ صادق آتا ہے اور وجود سب میں پایا جاتا ہے مگر یاد رکھو کہ وجود دو طرح کا ہے ایک وجود بالذات، دوسرا وجود بالعرض بالذات وجود تو صرف خدا کا ہے اور ممکنات کا وجود بالعرض ہے۔ ذرا اتنا تو کہو کہ وجود کے مقابل کیا ہے؟ عدم، عدم تو ہے ہی نہیں، پھر بھلا وہ کیا ہوگا؟ بہر حال جو کچھ ہے وہ وجود ہی ہے۔ دیکھو! آنحضرت ﷺ کیا فرماتے ہیں اصدق کلمة قالها العرب كلمة لبيدألا كل شئى ما خلاالله باطل۔ آپ فرماتے ہیں کہ عربوں کے اقوال میں سب سے سچا قول اور درست تر بات لبید کا قول ہے یعنی ہر چیز جو خدائے تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے ناحق ہے۔

صاحبو! پہلے زمانے کے فلاسفر کہتے تھے کہ سب چیزوں کی اصل ہیولیٰ اور صورت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تمام اشیاء کی اصل مادہ ہے۔ آج کل برق پاروں کا مذہب خوب چمک رہا ہے ان کے پاس ہیولیٰ وصورت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تمام اشیاء کی اصل مادہ برق پاروں کے سوا کچھ نہیں، بلکہ جو کچھ ہے انہی کا تماشا ہے مگر ہمارے پاس تو جو کچھ ہے وہ اللہ کے نور کا ظہور ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ نور السموت والارض۔ اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔

فکر ہر کس بر قدر ہمت اوست
زدریا موج گوناگوں برآمد
ز بے چونی برنگِ چوں برآمد
وہی بے چوں با چوں آیا
وہی صورت ہے وہی معنی
ہم سایہ و ہم نشیں و ہم رہ ہمہ اوست
درد بق گدا و اطلسِ شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع
واللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

مگر بزرگان طریقت یہ بھی فرماتے ہیں:

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(جامی)

صاحبو! ذرا اس پر غور کرو کہ یہ میرا ہاتھ ہے ہتھیلیوں میں پانچ انگلیاں ہیں یہ سب مل جاتی ہیں اور سمٹ کر گول ہو جاتی ہیں تو گھونسہ ہے۔ پسلیاں توڑنا اس کا کام ہے۔ پھر جب کھل کر اور لمبی ہو کر آپس میں ملتی ہیں تو تھپڑ اس کا نام ہے۔ اور گال سجانا اس کا کام ہے۔ ہاتھ چاہے گھونسہ بنے یا تھپڑ اس میں ایک بال برابر بھی زیادتی نہیں ہوتی اور سر مو فرق نہیں آتا۔ مگر دیکھو ان کے احکام کیسے بدل جاتے ہیں اگر کوئی کہے کہ گھونسہ اور تھپڑ ہاتھ ہی ہیں تو درست ہے۔ غرض ادھر ادھر کے فضول خیالات دفع ہو جاتے ہیں تو صرف ''وجود'' رہ جاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں ''وجود'' سے پہلے کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ وجود کے بعد کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ بس ''ہے'' کے ساتھ وجود آجاتا ہے۔ اچھا جواز لی وابدی ہو، جو سب کی اصل ہو، وہ کیا ہے؟ وہ ''حق'' ہے۔ اللہ ہے۔ لاالہ الااللہ یہ سب باتیں کس نے سکھائیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ پس خدا کے ساتھ کسی اور کو موجود سمجھنا شرک فی الوجود ہے اور شرک فی الوجود سے بدتر کیا بات ہوگی۔ بندہ تو وہی ہے جو کچھ نہ رکھے۔ یاد رکھو! جتنا خالی ہوتے جاؤ گے اتنا ہی بھرتے جاؤ گے، کچھ نہ رکھو گے تو سب کچھ ہو جاؤ گے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ یہ لوگ وجود الوجود اور ''ہمہ اوست'' کے قائل ہیں۔

منظور منظور اے اہل دنیا

WWW.NAFSEISLAM.COM

اللہ میرا باقی تمہارا

(حسرت)

اے ذات تو مجمع الکمالات
میں بھی ہوں کمالِ بے کمالی

(حسرت)

اہل تحقیق:

یہ فرماتے ہیں کہ دنیا ہے کیا؟ چند خیالات کا مجموعہ ہے کہ جن کا ٹھہراؤ ہے نہ ٹھکانہ۔ ہم تو دنیا کو دیکھ رہے ہیں گھر بار ہے، آدمی ہیں، عورتیں ہیں اور بچے ہیں۔ جانور اور نباتات ہیں۔ جمادات اور پتھر ہیں۔ ذرا کیمیا داں سے پوچھو دنیا کیا ہے؟ چند معدنیات، جمادات اور گیس ہیں۔ اچھا طبیعات والے سے پوچھو کہ دنیا کیا ہے۔ ایک مادہ ہے باقی سب اس کے مظاہر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہیولیٰ وصورت ہے بعض کہتے ہیں کہ جوہر ہبا ہے اور دقایق اور ایٹم ہے۔ بعض کہتے ہیں دنیا برق پاروں کا مجموعہ ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں، مگر سب کا اتفاق اس بات پر تو ہے کہ یہ سب خیالی ہیں۔ کیا سب کچھ جھوٹ موٹ ہے ہم جو کچھ دیکھتے ہیں غلط ہے؟ اس میں کیا شک ہے غلط در غلط ہے۔ جو نظر آ رہا ہے وہ تو یقیناً غلط ہے۔ جو نظر نہیں آ رہا ہے اس کو سمجھتے ہیں کہ سچ ہے بعض تو کہتے ہیں کہ دنیا جھوٹے خیالات کے جال کا نام۔ اگر سب جھوٹ ہے تو آپ کا خیال بھی جھوٹا ہے گفتگو تو اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ کسی بات کو سچ سمجھیں۔

سو فسطائی کہتا ہے جو ہے غیر حقیقت ہے
اس کے قول سے اس کا قول بے شک غیر حقیقت ہے

(حسرت صدیقی)

مگر میں حق کو حق، ناحق کو ناحق سمجھتا ہوں، تمہارا وجود غلط ہے۔ ہوا کرے میں اپنے احساس کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ میں ہوں یقیناً ہوں، کھاتا پیتا ہوں چلتا پھرتا ہوں، اگر میں غلط ہوں تو ایک ''ہے'' ضرور ہے یعنی دنیا تمام ''ہے'' کا ظہور ہے۔

یہ ''ہے'' کیا ہے؟

جو چیز سب سے عام ہو بدیہی ہو اور واضح ہو، اس کی توضیح نہیں ہو سکتی۔ ''ہے'' کا دوسرا نام ''وجود'' ہے۔ ''وجود'' کو سب دیکھتے ہیں، سب محسوس کرتے ہیں مگر ہم کو عادت پڑ گئی ہے۔ جزئیات پر نظر جمانے کی، اس لئے وجود پر نظر نہیں ٹھہرتی پھر جب نظر ہی نہ ٹھہرے تو دیکھے گا کیونکر۔ اے ''وجود'' اے وجودِ وجود تو ہی موجود ہے۔ تیرے سوا جو کچھ ہے مفقود ہے۔

آخر یہ ''ہے'' اور وجود کب سے ہے؟ اور کب تک رہے گا؟ وہ ازلی وابدی ہے۔ وہ اول ہے اور وہی آخر ہے۔ اس سے پہلے کوئی نہیں وہ آخر ہے جس کے بعد کوئی نہیں۔ وہ حقیقی واصلی ہے، وہی بالذات ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے بالعرض ہے، ظہورات ہیں۔ اچھا بتاؤ جو چیز بالذات ہو، ازلی ابدی ہو، اول وآخر ہو، ظاہر وباطن ہو، وہ ہے کیا؟ لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا ایسا کون ہو سکتا ہے۔ (مکاتیب عرفان)

زندقہ وشرک:

ہم اپنا مقصود بیان کرنے سے پہلے چند متفرق باتوں کو بیان کرتے ہیں جن سے امید ہو کہ ہمارے مقصود کے سمجھنے میں سہولت ہوگی:

۱۔ مسلمان کو خدائے تعالیٰ کے **وحدہ لاشریک لہ** ہونے میں شک نہیں۔

۲۔ اصلی اور بالذات وجود اللہ تعالیٰ کا ہے تمام مخلوقات اور بندوں کا وجود بالعرض ہے، خدا کا عطیہ ہے۔

۳۔ بعض دفعہ غیر اصلی، بالعرض، ناقص چیز کو کالعدم سمجھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ آپ کے سوا دینے والا ہے کون؟ مگر کہنے والے کی مراد رہتی ہے کہ آپ بہت کچھ دینے والے ہیں دوسرے دیتے بھی ہیں تو اس قدر کم ہے کہ ان کا دینا نہ دینا دونوں برابر ہیں۔ اس محاورے میں غیر اہم کو معدوم بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کے وجود بالذات اور اصلی وجود رکھنے کے مقابل بندے کا وجودِ بالعرض کالعدم ہے، ناقابل توجہ ہے۔

۴۔ ہر ایک چیز کا ایک جدا ہی حکم ہوتا ہے۔ ماں باپ کی تعظیم وتوقیر کرو، بیوی سے محبت کرو، بچوں پر مہربانی رکھو، پیغمبروں کی تعظیم اور اطاعت کرو، دشمنانِ خدا اور رسول سے دشمنی رکھو۔ ان کو اپنا دوست نہ سمجھو، یہ احکام ہیں ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ **وات کل ذی حق حقه** پر عمل کرو۔ ہر مستحق کو اس کا حق ادا کرو۔

۵۔ اگر کوئی کہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خدا کا وجود بالذات ہے، دوسروں کا بالذات نہیں۔ اس کے ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ بندوں کا وجود بالعرض بھی نہیں۔ عطیہ خدا بھی نہیں۔ (وجود بالذات اور وجود بالعرض دیکھو صفحہ ۱۲۶)

ایک اور بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھو! کہ منطقی زبان الگ ہوتی ہے اور ادب کی الگ۔ ایک ادیب غیر اہم کو نہیں کے طور پر ادا کرتا ہے اور منطقی اس طرز بیان سے ناواقف۔

۶۔ (الف) جس وقت خدا سے غفلت کی جارہی ہو، اس کے وجود بالذات سے بے اتفاقی ہو تو توحید پر زور دینے والے کہتے ہیں خدا کے سوا ہے کون؟ کس کی مقدور ہے کہ خدا کے سامنے اپنے وجود کا دعویٰ کرے۔ لا الہ الا اللہ۔ اللہ حق باقی ہوس۔ دو حق نہیں ہو سکتے۔ خدا کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے۔

(ب) جب احکام الٰہی سے پہلو تہی کی جاری ہو تو حق پرست کہیں گے محمد رسول اللہ حق، ان کو نہ ماننا باطل۔ ان کا انکار کفر۔ ان کے احکام کی پابندی نہ کرنا گناہ عظیم، ان کے احکام کے مطابق ہر ایک کو اس کا حق نہ دینا ظلم، ظلم ظلمت ہے، اندھیر ہے۔ پیغمبر کا حکم نہ سنو گے تو تم کو خدا کا راستہ کبھی نہ ملے گا۔

۷۔ خدا حق ہے تو اس کے پیدا کرنے کی وجہ سے ہمارا ہونا بھی حق ہے۔ حق کو ناحق کہنا وہ بھی ظلم ہے۔ بے شک خدائے تعالیٰ **وحدہ لا شریک لہ** ہے تو حقائق اشیاء اپنے اپنے محل پر ثابت۔ کوئی مسلمان اپنے بندہ ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ حق کو حق سمجھتا ہے، باطل کو باطل، حق کو حق نہ سمجھنا باطل کو باطل نہ جاننا سراسر غلط ہے۔ ہر چیز کو اس کا حق دینا ضروری ہے۔ حقائق اشیاء ثابت ہے تو خدا کا **وحدہ لاشریک لہ** ہونا بھی ثابت ہے۔ نہ اس سے انکار ممکن ہے، نہ اس سے انکار جائز۔

حاصل یہ کہ بالذات اور بالعرض دونوں حق ہیں۔ بالعرض پر اگر اتنا زور دیں کہ وہ بالذات کے حدود میں داخل ہو جائے تو یہ شرک ہے۔ بالعرض کے احکام سے اتنی بے اتفاقی کی جائے کہ بالعرض کے احکام بالذات پر لگائیں تو یہ زندقہ والحاد ہے۔

۸۔ وجود حقیقتاً بالذات، اصلی طور سے کس کی صفت ہے؟ خدائے تعالیٰ کی۔ یہی وجود بندے کی طرف لگائیں تو مجاز ہے، بالعرض ہے۔ مجاز کے قائل ہونے کے بعد نہ زندقہ رہتا ہے نہ شرک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ خیر المکرین** ۔ مکر کرنا بندے کی صفت ہے مگر قرینہ سے اس کے معنیٰ لئے گئے ہیں۔ ''مکر کی سزا دینے والا'' اس میں کچھ الحاد نہیں ہے۔ جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو کہا میں تم کو اچھا بیٹا دینے آیا ہوں قرینہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ جبریل علیہ السلام کے پھونکنے کی وجہ سے بیٹا دینے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہ مجاز ہے لہذا یہ شرک نہیں۔ اگر کوئی ڈاکٹر کہے کہ میں فلاں بیمار کو اچھا کر دیتا ہوں اگر خدا پرست ہے تو اس کا مقصد ہوگا کہ خدا کے فضل کی مدد سے میں نے اس کو اچھا کیا اور اس کا کہنا مجاز ہوگا قرینہ اس کا مسلمان ہوگا اور اگر غیر مسلم کہے کہ میں بیمار کو اچھا کر دیتا ہوں تو چونکہ اللہ کا فضل اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہے اس لئے یہ شرک ہے۔ لفظی معنوں کو چھوڑ کر قرینہ سے مجازی معنیٰ لے سکتے ہیں مثلاً ایک شخص قسم کھا کر کہے میں تمہارے گھر میں قدم نہ رکھوں گا تو چونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے گھر میں نہیں جاؤں گا پس گھر کے باہر بیٹھ کر اگر اپنا قدم، چوکھٹ کے اندر ڈالے تو کچھ نہ ہو قسم نہ ٹوٹے گی، بہر حال ساری خرابی مطلب نہ سمجھنے کی ہے۔ ایک شخص قرینہ سے مجازی معنیٰ لیتا ہے اس کو حقیقت پر معلوم کر کے شرک کہہ دینا بڑی جہالت ہے۔ حقیقی معنیٰ سے شرک ہوتا ہے۔ نہ کہ مجازی سے اس طرح حقیقی معنیٰ سے زندقہ ہوتا ہے نہ کہ مجازی سے ہم صبح سے شام تک ہزاروں جملے مجاز کے استعمال کرتے ہیں۔ اگر سب کو حقیقت پر محمول کریں تو بات کرنا مشکل ہو جائے گا۔

یاد رکھو! جو صوفی ہوتا ہے وہ مجاز کو استعمال بھی کرتا ہے تو حقیقت بالذات سے غفلت نہیں کرتا حقیقت اور بالذات سے غفلت کرنے کو وہ شرکِ خفی سمجھتا ہے اور اس سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہے۔ یہ بالذات سے ہوشیار رہنا۔ فنائے افعال فنائے صفات اور فنائے ذات کو پیدا کرتا ہے۔

اب میں پھر کہتا ہوں **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیھا نحیا و علیھا نموت وعلیھا نبعث انشاء للہ.** (المعارف حصہ چہارم)

عدم: وجود کی بحث تو ہو چکی، اب عدم کے متعلق بھی تھوڑی بحث کریں گے۔

کیا عدم خارج میں موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ عدم اور موجود ہونا یہ تو انقلابِ حقیقت یا اجتماعِ نقیضین ہے، پھر وہ سمجھا کس طرح جاتا ہے؟ اور منتزع سے ہوتا ہے؟ یاد رکھو! ہمیشہ عدم وجود سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے **وبضدھا تتبین الاشیاء.**

فرض کرو ایک شخص کے پاس گھوڑا ہے اور دوسرے کے پاس نہیں ہے، تو اس دوسرے شخص کے گھوڑا نہ رکھنے کا علم اس شخص کے مقابلے سے ہوتا ہے جس کے پاس گھوڑا ہے اسی طرح غنی کے مقابلہ سے فقیر متعین ہوتا ہے، اسی طرح بینا کے مقابلہ سے نابینا سمجھ میں آتا ہے، پس وجودِ اضافی عدمِ اضافی کا منتزع عنہ ہے اور وجودِ محض ہی عدمِ محض کا منتزع عنہ ہوتا ہے۔

چونکہ ممکن، عدمی وانتزاعی شئے ہے اور واجب، موجود حقیقی ہے۔ وجود اس کے لئے عین ذات ہے، لہٰذا یہ قول صحیح ہوا، **الحق محسوس والخلق معقول**۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وجود عین ذات واجب بھی ہو اور پھر ممکن کو وجود حقیقی سے حصہ بھی ملے۔ غرض کہ جب تک خدا محسوس نہ ہوگا بندہ ہرگز سمجھ میں نہ آئے گا۔ پس ایک عجیب معنیٰ نکلے **من عرف نفسه فقد عرف ربه** کے، اور دیکھو! مخلوقات وممکنات، عدم سے رونما ہوئے کے معنیٰ نکلے، ممکنات، وجود کے کنز مخفی سے نمایاں ہوئے۔ **سبحان اللہ**۔ نظر وجود پر ہے، اور عدم سمجھا جاتا ہے، پس جب ہم واجب کو وجودِ محض سمجھیں گے تو ہم اپنے آپ کو ضرور عدم سمجھیں گے۔ (حکمت اسلامیہ)

مراتب داخلیہ وخارجیہ:

وجود یا موجود کے دو اعتبار ہیں:

۱۔ مرتبہ داخلیہ ۲۔ مرتبہ خارجیہ

۱۔ مرتبہ داخلیہ: **کن فیکون** سے مقدم ہے، لہٰذا یہاں مخلوقات کو دخل نہیں اور نہ یہاں متعدد ذوات موجود فی الخارج مانے جاتے ہیں۔ بخلاف مرتبہ خارجیہ کے وہ مرتبہ خلق اور وجودِ بالعرض کا ہے، بعد کن ہے۔

مرتبہ داخلیہ میں جو کثرت معلوم ہوتی ہے وہ علم واعتبار میں ہے، یا یوں کہو کہ وہ خود ذاتِ حق ہی کے مختلف اعتبارات ہیں مگر ذات ایک ہی ہے، واحد ہے۔ (حکمت اسلامیہ)

احدیت: احدیت کو باہوت، ھو، شانِ تنزیہ، غیبِ مطلق، بشرطِ لا شئے، بشرطِ لا کثرت، انانیت حقہ، ھوتیہ حقہ بھی کہتے ہیں۔

احدیت، ذات کا ایک مرتبہ ہے جو وہم وگمان سے پاک ہے کثرت کو اس شان میں گنجائش نہیں، بالکل قیود سے آزاد ذات ہے۔

احدیت میں ذاتی علم نور، وجود، شہود ضرور ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں حق تعالیٰ خود ہی علم ہے، خود ہی عالم ہے، خود ہی معلوم ہے، مگر اس مرتبہ میں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ یہاں کسی قسم کے تعدد اور اعتبارِ غیریت کو دخل نہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل علم کے بیان میں کی جائے گی۔

وحدت: وحدت کو حقیقت محمدی، بشرطِ شئے بالقوہ، بشرطِ کثرت بالقوہ علماء، بعض لوگ اس کو نفس رحمانی بھی کہتے ہیں، بعض لوگ اس لحاظ سے کہ وحدت ہی کے درجات کی تفصیل واحدیت میں ہوتی ہے۔ وحدت کو رفیع الدرجات کہتے ہیں اور رفیع الدرجات ذوالعرش اس پر اشارہ ہے اور بعض اس لحاظ سے کہ وحدت اپنی ہی تفصیل کو واحدیت میں چاہتی ہے تو وحدت کو حب ذاتی کہتے ہیں۔ **فاحببت ان اعرف** اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

وحدت، ذاتِ حق کا ایک مرتبہ ہے جس میں قابلیت کثرت ہے مگر ہنوز کثرت موجود نہیں، بالفعل نہیں، ان قابلیت کثرت کو شیونِ ذاتیہ کہتے ہیں۔

واحدیت:

واحدیت کو بشرطِ شئے بالفعل، بشرطِ کثرت بالفعل بھی کہتے ہیں۔ واحدیت، ذات حق کا ایک مرتبہ ہے جس میں بالفعل کثرت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہاں کثرت سے مراد اسماء وصفات ومعلوماتِ الٰہیہ کی کثرت ہے۔

واضح ہو کہ کسی شئے سے کوئی قید لگائی جائے تو تین اعتبار پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ بشرطِ لا شئے یا شئے مطلق، قید سے پاک

۲۔ بشرطِ شئے، شئے مقید، قید کے ساتھ

۳۔ لابشرطِ شئے، یا مطلق شئے، قید بے قید دونوں سے عام، پس لابشرطِ شئے کی دو صورتیں ہوئیں۔ بشرطِ لا شئے احدیت، بشرطِ شئے واحدیت۔

اس مثال پر غور کرو: بچہ، برہنہ بچہ، کپڑے پہنا بچہ، گویا بچہ لابشرطِ شئے ہے۔ برہنہ بچہ بشرطِ لا شئے ہے، کپڑے پہنا بچہ، بشرطِ شئے کی مثال ہے۔

پس وجود میں تین اعتبار ہیں:

۱۔ وحدت مطلقہ، لابشرطِ شئے سب سے عام

۲۔ احدیت، بشرطِ لا شئے، قیود، اعتبارات سے پاک۔ اب رہ گیا بشرطِ شئے اس میں دو صورتیں ہیں۔ بشرطِ کثرت بالقوہ، وحدت اور بشرطِ کثرت بالفعل، واحدیت۔ ان تینوں چاروں اصطلاحات میں تمیز نہ کرنے سے بہت گڑبڑ ہوتی ہے۔ (حکمت اسلامیہ)

(المعارف حصہ دوم میں حضرت نے ان اصطلاحات کی ایک دوسرے انداز میں تشریح فرمائی ہے اس کو بھی یہاں نقل کر دیا جاتا ہے تاکہ کامل استفادہ ہو) (للمرتب)

وحدت مطلقہ: (ذات۔ ہویت، انا) لابشرطِ شئے یا شئے مطلق، قید بے قید دونوں سے عام

قل ھو اللہ احد. اللہ الصمد۔ اے حق! اے غیب مطلق۔ اے اول لا بدایت! اے آخر لا نہایت! اے نور علی نور! اے عین الکافور! تو وجود ہے، تو بالذات موجود ہے، تو علم و عالم و معلوم اور شہود و شاہد و مشہود ہے۔ تیری ساحت عظمت میں کیا مقدور کہ غیریت کی رسائی ہو کان اللہ و لم یکن معہ شئی یا کسی مظہر کی قدم فرمائی ہو ان اللہ لغنی عن العالمین یہاں امکان کو کہاں امکان کہ تجھ سے آشنا ہو و لا یحیطون بہ علماً۔ یہاں اعتبار معتبر نا شاد و نامراد بلکہ تباہ و برباد ہے۔ ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ رؤف بالعباد حجر بحت یہی ہے مقام حیرت یہی ہے کمال الاخلاص نفی الصفات عنہ (علی رضی اللہ عنہ) اسی مرتبہ سے خبر ہے ورآء الورآء ثم ورآء الورآء اسی مقام کا بیان ہے کیونکہ غیر علم میں ہے نہ کہ عین میں۔

ہے عجب رہ حقیقت کہ نہیں نشانِ خلقت
یہ کہاں مجال باطل کہ وہاں دو چار ہوتا

(حسرتؔ)

اللہ اکبر! یہ تیرا حسن و جمال اور یہ تیرا عزت و جلال مگر تیرا محبّ کہاں؟ اور تیرا فرمانبردار کدھر؟

احدیت: (بشرط لا شئے) قیود و اعتبارات سے پاک اس اعتبار میں تنزیہ و تجرید ہر قید کو شکستہ اور ہر بندہ کو گستہ کر دیتی ہے۔ تعالی اللہ عما یصفون مقال اس کے بیان سے بیکار ہے خیال اس کے لحاظ سے ناچار ہے لیس کمثلہ شئی

تم سا نہیں دنیا میں جو کچھ کہ ہو تمہیں ہو
ہم تم سے کسی بات میں دعوی نہیں کرتے

(حسرت)

یہ بشرط لا غیر (بشرط "لا شئے") لالحاظ ہے حدیت کو واحدیت کے لحاظ سے اولیت، بطون، ازلیت، لازم ہے، مگر ملحوظ نہیں ھو الاول والاخر والظاھر والباطن۔

وحدت: (بشرط کثرت بالقوی) جل جلالہ وعز کمالہ دریائے وجود میں حب ذاتی کا جوش پیدا ہوتا ہے کنت کنز مخفیاً فاحببت ان اعرف متضاد قیود اور مختلف اعتبارات کی موجیں اٹھ اٹھ کر استعداد تام و قابلیت بالاکلام کا ثبوت دیتی ہے وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو

وہ اپنے آپ کو غیریتِ اعتباری کے مرآت میں ملاحظہ فرماتا ہے کمال جلا یعنی خود نمائی اور کمال استجلا یعنی خود بینی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اعتباریت، غیریت، اسماء، صفات کا پردہ منہ پر ڈال کر نمایاں ہوتا گیا صفتاً نمایاں ہوتا گیا، تو ذاتاً پنہاں ہوتا گیا۔

پردے میں نمایاں ہے بے پردہ پنہاں ہے
پیدائی ہے پنہائی، پنہائی ہے پیدائی

(حسرت)

خود سمجھ رکھو کہ جس کی چشمِ بصیرت سے جس قدر حجاب اعتبارات دور ہوں گے۔ اس قدر اس کو قرب ہوگا، بلکہ وہ خود بھی محبوب بنے گا۔ یحبھم ویحبونہ اس مرتبہ کو بعض لوگ حقیقتِ محمدی کہتے ہیں۔

واحدیت (بشرط کثرت بالفعل) اس اعتباری میں تمام واحدیت: تعینات کے عروض کا لحاظ ہے۔ خواہ فعلی ہو یا انفعالی، موثر ہوں یا متاثر، وجوبی ہوں یا امکانی، الوہیتی ہوں یا عبودیتی، یہ مزاج البحرین ہے۔ یہ بشرط غیر (بشرط شئے) کا اعتبار ہے۔ (المعارف حصہ دوم تنزلات ستہ، ص ۲۴)

ایک بات یاد رکھو! مجمل سے مفصل، وحدت سے کثرت، باطن سے ظاہر کی طرف ظہور ہوتا ہے۔

اقسام تعین: یہ بات بھی یاد رکھو کہ تعین دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ تعین ذاتی ۲۔ تعین باعتبار اسماء و صفات کے

تعین ذاتی: ہر حال میں باقی رہتا ہے اور تعین اسماء و صفات بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً زید پہلے بچہ تھا پھر جوان ہوا، پھر ادھیڑ ہوا، پھر بوڑھا ہوا، تو بچپن جوانی، کہولت (یعنی ادھیڑ پن) شیخوخت (یعنی بوڑھاپن) زید کے صفاتی تعین ہیں۔ جو بدلتے رہتے ہیں اور زید کا ذاتی تعین یعنی زیدیت جوں کا توں رہتا ہے۔

مرتبہ صفات الٰہیہ:

اس کو جبروت کہتے ہیں

مرتبہ الوہیت تمام کمالات کا اجمال ہے اور تمام سفات اس کی تفصیل ہیں۔ مرتبہ الوہیت کو مرتبہ لاہوت بھی کہتے ہیں۔

صفات الٰہیہ عین ذات ہیں باعتبار منشاء، منتزع عنہ کے یعنی ایک ذات سے انتزاع کئے جاتے ہیں اور غیر ذات ہیں باعتبار مفہوم کے یعنی یہ جدا جدا اعتبار ہیں اور ان کے جدا جدا معنی و آثار ہیں، پس اسماء وصفات الٰہیہ لاعین لاغیر ہیں۔

دیکھو منطقی کہتے ہیں خارج میں صرف ذات زید ہے اور ذہن انسانی اس کی تحلیل کر کے ناطق، متحرک بالارادہ، نامی، قابل ابعاد ثلاثہ وغیرہ متعدد امور کو نکالتا ہے، انتزاع کرتا ہے، حالانکہ منشاء وخارج میں اس سب کا وجود، عین ذاتِ زید ہے کیونکہ خارج میں جنس، فعل شخص کا وجود ایک دوسرے سے ممتاز نہیں بلکہ ایک ہے۔

غرض کہ صفات الٰہیہ انتزاعی ہے انضمامی نہیں کیونکہ صفت انضمام بھی وجود رکھتی ہے اور ذات موصوف سے خارج، مگر وابستہ رہتی ہے چونکہ وجود عین ذات واجب تعالیٰ ہے، لہٰذا کوئی شئے ذات واجب تعالیٰ سے خارج نہیں ہوسکتی خواہ خود واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات ہوں یا ذوات ممکنات پس خدائے تعالیٰ کے سوائے جو کچھ ہے وہ انتزاعی ہے۔ خواہ وجودی ہو یا عدمی اور ذات حق کا ہر شئے کے لئے محیط ہونا ثابت (یعنی کوئی شئے ذات حق سے خارج نہیں) جیسا کہ احاطہ علمی ثابت ہے، علم کا مسئلہ آئندہ تفصیل سے آئے گا۔

تمام صفات الٰہیہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ ہر ایک کے جدا معنی ہیں، ہر ایک کے مختلف آثار ہیں مگر حقائق الٰہیہ واسماء وصفات کی کثرت سے متعدد ذوات کا موجود فی الخارج ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اسماء الٰہیہ امور انتزاعیہ ہیں اور ان سب کی ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات واجبہ ہویۃ حقہ ہے۔

دائرہ سے منتزع ہیں مرکز و قطر و محیط
شان وحدت سے ہوئی ہے شانِ کثرت آشکار

(حسرت)

خدائے تعالیٰ کو اپنے تمام اوصاف واسماء کا بھی علم ہے تمام مخلوقات کا قبل خلق بھی علم ہے اسماء الٰہیہ کو جو معلوم حق ہیں۔ حقائق الٰہیہ اعیان اسماء کہتے ہیں۔ مخلوقات کو جو معلوم حق ہیں حقائق ممکنہ، اعیان ثابتہ، مخلوقات، طبائع ممکنات یا جائزات کہتے ہیں۔

اسمائے الٰہیہ اور عین ثابتہ چونکہ قبل کن ہیں، مرتبہ داخلیہ ہیں لہٰذا ان میں باہمی امتیاز صرف علم میں ہے ان کے امتیاز سے تعدد ذوات لازم نہیں آتا بلکہ ایک ذات حق کے مختلف اعتبارات سمجھے جاتے ہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صفات واسماء الٰہیہ ذات حق سے لاعین، لاغیر ہیں یعنی سمجھنے کے لحاظ سے مفہوم کے لحاظ سے علم میں غیر ذات حق ہیں اور خارج کے لحاظ سے منشاء کے لحاظ سے عین ذات حق ہیں۔

بدہست، معتزلی، زنادقہ، اسماء الٰہیہ کے موجود ہونے، باہم ممتاز ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ توحید پر ان لوگوں نے اتنا زور دیا کہ حقائق سے انکار کر بیٹھے۔ ان کے خیال میں اسماء الٰہیہ کا قائل ہونا تعدد قدما یا تعدد وجبا کا قائل ہونا ہے مگر ان کو خیال رکھنا چاہیئے کہ تعدد ذوات قدیمہ باطل ہے، نہ کہ ایک ذات حقہ سے جو عین موجود ہے متعدد امور کا منتزع کرسکنا۔ تعدد اعتبارات سے تعدد ذوات لازم نہیں آتا۔ اگر اسماء وصفات الٰہیہ، ذات الٰہیہ سے منتزع نہ ہوں بلکہ مخلوقات کی طرف اضافت کرنے سے پیدا ہوں تو مخلوقات سے قطع نظر کیا جائے تو وہ صفات ہی نہ رہے گی۔

بت پرست، دیو، دیوی پرست، مثال پرست، مجسمہ ومشبہ نے اسماء وصفات کے باہمی امتیاز اور مرتب علیہ الآثار ہونے پر اتنا زور دیا کہ ہر ایک رسم کو مستقل خدا ماننے لگے ان اشخاص کو ''اسماء الٰہیہ کو ذات حق سے کیا ربط ہے'' معلوم نہیں، عالم مثال میں مختلف اسمائی وصفاتی تجلیات کا دیکھنا تو قیامت ہی ہوگیا۔ ان کے حق میں اسماء وصفات جو علم حق کا راستہ اور ذات حق پر دلالت کرنے والے تھے مانع حجاب اور سدِ راہ ہو گئے، یہ لوگ توحید کے سمجھنے سے عاجز ہو کر مشرک بن گئے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ اسماء مستقل نہیں ہیں۔ ذات حق کے شیون ہیں، تجلیات ہیں، اگر کئی دیوتا ہوتے اور وہ صاحب مستقل قدرت وارادہ ہوتے تو دنیا تباہ ہوجاتی۔ دوملا میں مرغی مردار ہوتی۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔ تو وہ تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں اجعل الألھۃ الھا واحدا ان ھذا لشئی عجاب۔

پناہ بخدا توحید بگڑ کر زندقہ ہوگئی توصیف بگڑ کر شرک بن گئی مگر اسلام کا بگڑا موحد ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ کا قائل بھی رہتا ہے اور اسلام کا مشبہ لیس کمثلہ شئی اور لاتدرکہ الابصار کو بھی مانتا ہے یہ اجمالی علم نور ہے یا محمد جان آپ

پر سے قربان، دل آپ پر سے صدقے آپ نے کیسی عظیم الشان تعلیم دی ہے۔

اقسام صفات:

واضح ہو کہ صفات الٰہیہ تین قسم پر ہیں:

۱۔ صفات حقیقہ محضہ

۲۔ حقیقہ ذات اضافت

۳۔ اضافیہ محضہ

صفات حقیقہ محضہ: جو ذات کی اصلی صفتیں ہیں ان کو کسی اور کی طرف نسبت کرنے کی ضرورت نہیں۔

صفات حقیقیہ ذات اضافت: جو ہیں تو حقیقی صفات مگر ان کو اضافت و نسبت الی الخلق ہو جاتی ہے جیسے علم کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے مگر معلوم سے بھی اس کو ربط و تعلق ہے۔

عموماً افعال متعدیہ کو فاعل سے قیام کے لحاظ سے تعلق رہتا ہے مگر ان کو مفعول سے بھی وقوع کے لحاظ سے ایک قسم کا تعلق رہتا ہے۔

صفات اضافیہ محضہ: کہ نفس موصوف میں ان صفات کا کوئی مبدا کوئی وصف قائم نہیں ہوتا بلکہ موصوف کو کسی اور سے نسبت دی جاتی ہے تو ایک صفت پیدا ہوتی ہے یا منتزع ہوتی ہے۔ حقیقۃً یہ صفات وجودی نہیں ہوتے بلکہ عدمی و اعتباری ہوتے ہیں مثلاً زید سامنے تھا تو تم سے متاخر کی صفت منتزع ہوتی تھی۔ جب تمھارے پیچھے آ گیا تو تم سے متقدم کی صفت منتزع ہونے لگی۔ اس طرف خدائے تعالیٰ کے بھی بعض صفات اضافی ہوتے ہیں جیسے خالقیت زید کہ وہ زید کی طرف اضافت سے پیدا ہوتی ہے۔

ہمیشہ متضائفین یعنی نسبتی نام ایک دوسرے کی طرف احتیاج رکھتے ہیں جیسے بھائی کا لفظ اس وقت تک صادق نہیں آتا جب تک اس کا بھائی نہ ہو۔ اسی طرح باپ بیٹا، ماں بیٹی، جورو خاوند، استاد شاگرد، بادشاہ رعیت، عبد و رب ہیں۔

اس تمہید کے بعد واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ کے صفات حقیقیہ اور حقیقہ ذات اضافت، ازلی ابدی ہیں۔ ان کے وجود میں کسی اور کی طرف اضافت و نسبت کی حاجت نہیں ایسے اوصاف ہی صفات کمالیہ ہیں۔

صفات اضافیہ محضہ جو تضائیف و نسبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے ظہور میں مخلوق کا اعتبار بھی ضرور ہوتا ہے۔ پس ان صفات کے ظہور میں مخلوقات کی ضرورت ہوتی ہے۔

جس طرح بیٹا ناز میں آ کر کہتا ہے کہ باوا! تم میری وجہ سے باپ بنے ہو، میں نہ تھا تو تم کس کے باپ تھے اور کیسے باپ تھے۔ گدا کہتا ہے کہ اے کریم! اے سخی! تیری سخاوت کی نمائش میری وجہ سے ہے میں نہ مانگتا تو تو نہ دیتا، تو نہ دیتا تو تجھے سخی کون کہتا، مانا میں تیرا سراپا محتاج ہوں مگر تو بھی اظہار سخا میں میرا محتاج ہے۔

بربادی عاشق سے کب رہتی ہے معشوقی
سب دم سے ہمارے ہے معشوقی و شیدائی

افعال الٰہی غیر معلل باغراض ہیں:

واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ کے افعال بے غرض ہوتے ہیں یعنی اپنی ذات کی تکمیل کے لئے اپنے صفات کمالیہ کے حصول کے لئے نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کو ان کے کمال تک پہنچانے کے لئے ہوتے ہیں ہر چند کہ اس کے صفات کے کمالیہ پہلے سے ثابت ہیں تاہم صفات اضافیہ کا ظہور مخلوقات سے متعلق ہونے سے موقوف ہے اس سے واضح ہو گیا کہ ذاتی غرض و غایت اور بات ہے حکمت و مصلحت اور شئے ہے۔

دوسری تقسیم صفات: ایجابی: جس میں کسی کمال کے پائے جانے پر دلائل ہو جیسے حی، عالم، قدیر وغیرہ۔

سلبی: جس میں نقص سے پاک ہونے پر دلالت ہو جیسے غنی۔ صمد۔ قدوس وغیرہ۔

تیسری تقسیم صفات: امہات الصفات تین ہیں۔

حیات

علم

قدرت

علم کے دو مددگار ہیں سمع و بصر، قدرت کے دو مددگار ہیں ارادہ و کلام

چاہوتو یہ کہدو کہ امہات الصفات سات ہیں حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام بعض شیوخ ارادہ کو اصل اور قدرت وکلام کو اس کے مددگار سمجھتے ہیں۔

اسماء صفات الٰہیہ کے مسائل نہایت اہم ہیں ان کے سمجھنے پر مذہب کا دارمدار ہے ان کے غلط طریقے پر سمجھنے سے تمام مختلف مذاہب پیدا ہوگئے ہیں، لہٰذا اسماء الٰہیہ کی توضیع وتشریح میں اگر طول یا تکرار ہوجائے تو نامناسب ہوگی۔

صفات بسیط: جوایک معنی پر دلالت کرے جیسے حیات

صفات مرکبہ: جوکئی معانی پر دلالت کریں جیسے خالق، رب، رزاق

امہات الصفات ہی صفات بسیطہ ہیں صفات مرکب امہات الصفات کے مختلف اجتماعات اوران کے گوناگوں طور پر گرکھانے کا نام ہے۔ مثلاً خلاق پر غور کرو کیا خلاق مرکب ہے یا بسیط۔ کیا خلاق کے لئے کن کہنا ضروری نہیں؟ کیا ارادہ، قدرت، علم، سمع وبصر وحیات ضرور نہیں؟ بے شک ہیں لہٰذا خلاق اسم مرکب ہے اسی طرح رب اور ممیت۔

اس مقام میں اس دقیقہ کو بھی یاد رکھو کہ بعض دفعہ کوئی وجودی شئے ہوتی ہے اوراس کو ایک دوسرے محل کے لحاظ سے ایک عدم صفت عارض سمجھتے ہیں۔ مثلاً زید حجرہ سے صحن میں چلا جائے تو صحن میں ہونا ایک وجودی صفت ہے لیکن حجرہ کے اعتبار سے زید غائب سمجھا جائے گا اور غائب ہونا ایک عدمیصفت ہے لیکن یہ عدمی صفت ایک وجودی صفت کیا اضافت سے منتزع ہوتی ہے اسم ممیت کا اعتبار بھی باعتبار عالم سابق یعنی شہادت ہے اور محی کا اعتبار بلحاظِ عالم مابعد یعنی مرنے کے بعد ہے جب کہ وہ شخص برزخ میں منتقل کردیا جائے گا کیسے زید مرگیا بلحاظ عالم شہادت اسم ممیت متعلق ہوا اور بلحاظ آخرت اسم محی۔

چوتھی تقسیم صفات: اسم ذات جوذات کی طرف اشارہ کرے جیسے قدوس، غنی، صمد

اسم صفت: جس میں ظہور وصف ہو جیسے حی، علیم، سمیع بصیر، قوی، جمیل، کریم۔

اسم فعل: جس اسم میں وقوع فعل پر دلالت ہو اور جس کا اثر دوسروں تک پہنچے جیسے خلاق، رزاق، محی، ممیت

پانچویں تقسیم صفات: اسماء لاھوتی۔ اسماء کے دو جفت ہیں جن سے کوئی شے خارج نہیں۔

جفت اول۔ الاول۔ الآخر

جفت دوم۔ الظاھر۔ الباطن

چھٹی تقسیم صفات: جلالی: جوقہر سے متعلق ہو جیسے قھار، مذل، خافض، منتقم

جمای: جولطف سے متعلق ہو، جیسے رحمٰن، رحیم۔ رؤف، لطیف

ساتویں تقسیم صفات: بعض اصحاب کی رائے میں ۱۲۸۔ رباب یعنی حقائق الٰہی ہیں اوران کے ۲۸ مربوب یعنی حقائق کونی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایک ایک اسم کا ایک ایک مظہر ہے۔ جس کو وہ رب ومربوب کہتے ہیں، ان سے ایک ایک حرف بھی متعلق ہے۔ بعض نے ۲۸ منازل قمر کو بھی لگادیا ہے، مگر ان امور کو تصوف سے کوئی تعلق نہیں غرض ان کے خیالات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

البدیع	الباعث	الباطن	الآخر	الظاھر	الحکیم	
عقلِ کل	نفسِ کل	طبیعتِ کل	جوہرِ ہبا	شکلِ کل	جسمِ کل	
ھمزہ	ھا	عین	حا	غین	خاء	
المحیط	الشکور	الغنی	المقتدر	الرب	العلیم	القاھر
عرش	کرسی	فلک بروج	فلکِ منازل	فلکِ زحل	فلکِ مشتری	فلکِ مریخ
قاف	کاف	جیم	سین	یا	صاد	لام
النور	المصور	المحصی	المبین	القابض	الحی	المحی
فلک الشمس	فلکِ زہرہ	فلک عطارد	فلکِ قمر	کرہ نار	ہوا	آب
نون	را	ظا	دال	ثا	زا	سین
المیت	العزیز	الرزاق	المذل	القوی	اللطیف	الجامع
خاک	جماد	نبات	حیوان	ملک	جن	انسان
ضاد	ظا	قا	زال	فا	با	میم

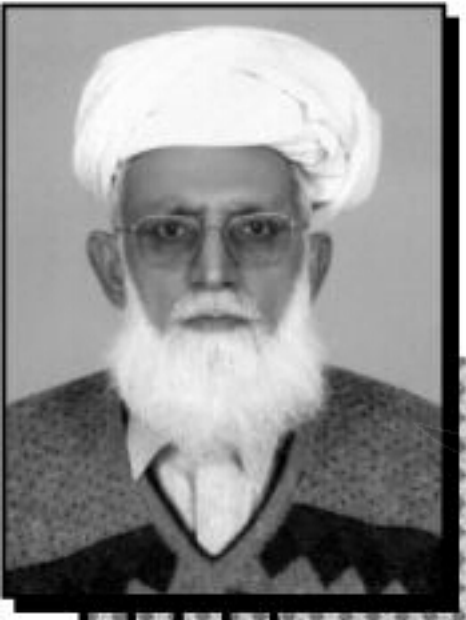
الرفیع

انسان کامل

واؤ

WWW.NAFSEISLAM.COM

باقی آئندہ



شیخ الحدیث والتفسیر

مدظلہ العالی

علامہ عبدالرزاق بھترالوی

دھیمہ مزاج، کم گو، منطقی اندازِ گفتگو، متانت وسنجیدگی، مستقل مزاجی اور سادہ طرزِ زندگی کی خصوصیات کے حامل علامہ عبدالرزاق بھترالوی ہمارے ملک کے ممتاز عالمِ دین ہیں۔ بھترال کے معروف علمی گھرانے سے تعلق ہے، گذشتہ تقریباً چالیس سال سے امامت وخطابت اور تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کا شمار ملک کے چند نامور اساتذہ میں ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہم العالیہ کے شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ شہرت کی حرص سے کوسوں دور گوشۂ تنہائی میں بیٹھے دینِ متین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہنے والے علامہ عبدالرزّاق بھترالوی قرآن مجید کی تفسیر ''نجوم الفرقان'' کے نام سے تحریر فرمارہے ہیں جبکہ مختلف دینی موضوعات پر وقیع کتابیں اور اہم رسائل بھی تصنیف فرمائے ہیں۔ درسی کتب کنز الدقائق، نورالایضاح، قدوری، تلخیص المفتاح اور ہدایہ کے حواشی عربی میں جبکہ میزان الصرف، مراح الارواح اور سراجی کے حواشی اردو میں تحریر فرمائے ہیں۔ ادارہ ''دلیلِ راہ'' کے ادارتی وفد سید شبیر حسین شاہ گیلانی، قاری محمد اسلم ضیائی اور راقم الحروف نے علامہ بھترالوی سے ایک نشست کی درخواست کی اور انہوں نے ازحد شفقت فرماتے ہوئے ہمیں یہ موقع فراہم کیا کہ ہم ان کی زندگی اور دینی خدمات کے حوالے سے ان سے گفتگو کرسکیں، چنانچہ ذیل میں ہم گفتگو کی تفصیل قارئینِ ''دلیلِ راہ'' کے لئے پیش کررہے ہیں۔ عبدالمجید مغل

WWW.NAFSEISLAM.COM

دلیل راہ: آپ کا آبائی علاقہ کونسا ہے؟

☆☆ میرا آبائی علاقہ حطار ضلع جہلم ہے جو کہ نئی ضلع بندی کے بعد چکوال میں شامل کر دیا گیا ہے، بعدازاں میرے بزرگوں نے بھترال میں سکونت اختیار کر لی جو کہ ضلع راولپنڈی کا علاقہ ہے۔ اسی مناسبت سے میں بھترالوی مشہور ہوں۔

دلیل راہ: اپنی ابتدائی تعلیم کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں؟

☆☆ قرآنِ پاک کی سورہ بقرہ حافظ غلام مصطفیٰ اور سورہ آلِ عمران حافظ احمد رضا سے حفظ کیں جبکہ بقیہ قرآنِ مجید از خود بغیر کسی استاد کے حفظ کیا۔

دلیل راہ: دینی تعلیم کی طرف رجحان کیسے ہوا؟

☆☆ دینی تعلیم کی طرف رغبت کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ ہمارا گھر بلکہ خاندان کا ماحول ہی مکمل طور پر دینی تھا۔ سات پشتوں سے ہمارے خاندان میں نامور علماء چلے آ رہے تھے۔ میرے خاندان کے بزرگ مولانا برھان الدین علیہ الرحمہ نے پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمہ کو پڑھایا۔ میرے والدِ محترم کے چچا مولانا رسول احمد المعروف غلام رسول کی تصنیف ''صرفِ بھترال'' دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ جس کا فارسی ترجمہ ان کے شاگرد مولانا منور الدین نے کیا۔ فقیر کا ارادہ ہے کہ خود اس کا فارسی ترجمہ کرے اور جہاں وضاحت کی ضرورت ہو وضاحت بھی کر دی جائے۔

دلیل راہ: جس دور میں آپ نے دینی تعلیم حاصل کی اس وقت باقاعدہ مدارس کا شاید رواج نہ تھا۔ مختلف اساتذہ کے پاس جا کر پڑھنا ہوتا تھا۔ آپ نے کن کن شخصیات سے تعلیم حاصل کی؟

☆☆ جس دور میں میں نے تعلیم حاصل کی اس وقت باقاعدہ دینی مدارس کا وجود تھا۔ ابتداء میں دارالعلوم اہل سنت و جماعت جہلم میں مولانا غلام یوسف گجراتی، مولانا قاضی غلام محمود ہزاروی، مولانا عبدالاحد اور مولانا محمد عرفان نوری سے کتابیں پڑھیں۔ ایک سال گولڑہ شریف میں مولانا گل اکرام علیہ الرحمہ اور شیخ الحدیث مولانا محبّ النبی علیہ الرحمہ سے متوسط درجہ کی کتب پڑھیں۔ اسرار العلوم راولپنڈی میں مولانا عبدالقدوس علیہ الرحمہ اور مولانا قاضی محمد اسرار الحق حقانی علیہ الرحمہ سے بھی چھ ماہ تک متوسط درجہ کی کتب کے کچھ اسباق پڑھے، بعدازاں جامعہ نعیمیہ لاہور میں مفتی اعظم مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمہ، مولانا محمد امین اور حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی سے درجہ منتہی تک کتب پڑھیں۔ مولانا محمد اشرف سیالوی کی محنت و شفقت کے نتیجہ میں آج میں ایک اچھا مدرس شمار ہوتا ہوں، اگرچہ من آنم کہ من دانم۔ اس دوران استاذی المکرّم سلانوالی منتقل ہو گئے تو ایک سال وہاں بھی ان سے پڑھا ہے۔ سندِ فراغت جامعہ نعیمیہ لاہور سے حاصل کی۔

دلیل راہ: دورانِ تعلیم آپ ہم جماعت دیگر طلبہ میں سے اپنے آپ کو قابلیت کے اعتبار سے کس درجہ میں شمار کرتے ہیں؟

☆☆ اپنی ذات کے بارے خود تجزیہ کوئی مناسب بات نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے مجھے بلا کا حافظہ عطا فرمایا ہے۔ اس طرح سکول ہو مدرسہ میں اپنے ہم سبق ساتھیوں میں ہمیشہ نمایاں رہا ہوں۔ مجھے میرے احباب حافظہ کی وجہ سے ٹیپ ریکارڈر کہتے تھے۔

دلیل راہ: اپنے اساتذہ میں سے سب سے زیادہ آپ کس سے متاثر تھے اور اس کی وجہ؟

☆☆ علامہ محمد اشرف سیالوی تدریس کے بادشاہ ہیں۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ کے پاس اسباق پڑھنے کے بعد کوئی دوسرا نظر میں سمایا ہی نہیں، البتہ بزرگ علماء میں سے علامہ سید احمد سعید کاظمی، علامہ سید ابوالبرکات قادری، محدثِ اعظم مولانا سردار احمد، مولانا نور محمد بصیر پوری، مولانا معین الدین شافعی، حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حافظ عطا محمد بندیالوی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) جبکہ موجودہ علماء میں سے علامہ سید ریاض حسین شاہ سے عقیدت و محبت ہے اور میرے قریب کے لوگ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ شاہ صاحب کا تفسیر لکھنے کا انداز بھی بڑا پسند آیا اور حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری سے بھی بہت زیادہ عقیدت و محبت ہے۔ سیاسی لحاظ سے حاجی محمد حنیف طیب کی خدمات کو سراہتا ہوں۔ میرے اساتذہ میں سے شیخ الحدیث مولانا محبّ النبی علیہ الرحمہ ایسی شخصیت ہیں جو حقیقت میں ولی اللہ تھے۔ ان کے طور اطوار اور زہد و تقویٰ سے میں بہت متاثر ہوں۔

دلیل راہ: اپنے ہم سبق شخصیات میں سے کوئی اہم نام؟

☆☆ میرے ہم سبق حضرات میں سے علامہ اللہ دتہ سرگودھا، علامہ مہر علی، مولانا شاہ محمد قصوری، سید مبارک علی شاہ اور قاری محمد یوسف جہلمی چند اہم نام ہیں جنہوں نے مختلف مدارس میں تدریس کے شعبہ میں خدمات سرانجام دیں یا دے رہے ہیں۔

دلیل راہ: آپ طویل عرصہ سے تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ انداز اً پڑھاتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟

☆☆ حزب الاحناف لاہور میں چھ سال، جامعہ قادریہ فیصل آباد میں دو سال، جامعہ اسرار العلوم راولپنڈی میں چھ سال اور جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں چوبیس سال تک پڑھایا ہے۔ گذشتہ چار سال سے اپنے دارالعلوم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم راولپنڈی میں پڑھا رہا

ہوں۔ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم میں دورہ حدیث کی کتب بھی پڑھاتا رہا ہوں۔

دلیل راہ: اپنے دور کے اور آج کے دور کے اساتذہ اور طلبہ پر آپ کیا تبصرہ کریں گے؟

☆☆ ہمارے زمانہ طالب علمی میں مشکلات زیادہ تھیں، وسائل نہ ہونے کے برابر تھے، البتہ دینی تعلیم کے حصول کا رجحان ضرور تھا۔ طلبہ شوق سے پڑھتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی تھی جبکہ فی زمانہ حالات مختلف ہیں۔ بچوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب ہی نہیں دی جاتی یا پھر ماحول انہیں ایسا میسر نہیں آتا کہ ان کا رجحان دینی تعلیم کی طرف ہو۔

دلیل راہ: آپ کے طلبہ میں سے کوئی ایسا جس پر آپ فخر کر سکیں؟

☆☆ طلبہ میں سے کوئی خطابت کے شعبہ میں گئے اور کوئی تدریس کے شعبہ۔ ان میں سے محمد اسحاق ہزاروی تدریس کے شعبہ سے منسلک ہیں اور میرے ہی دارالعلوم میں پڑھا رہے ہیں۔ ان کی قابلیت، ذہانت اور محنت پر مجھے خوشی ہے۔ اس بات پر بھی مجھے خوشی ہے کہ میں نے پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑہ شریف کے صاحبزادے نظام الدین جامی کو پڑھایا ہے، جبکہ میرے ہی خاندان کے بزرگ مولانا برھان الدین کو یہ شرف حاصل تھا کہ انہوں نے تاجدار گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمہ کو پڑھایا تھا۔

دلیل راہ: مدارس بورڈ بننے سے تعلیمی معیار بہتر ہوا یا گرا ہے؟

☆☆ میرے خیال میں مدارس بورڈ بننے کے بعد دینی تعلیم کا معیار گرا ہے۔ مدارس کے نصاب میں سے کچھ درسی کتب خارج کر دی گئیں اور اس اخراج سے بھی تعلیمی معیار پر برے اثرات پڑے ہیں۔ ایک سازشی شخص ظفر (زفر من الزفیر) نہ معلوم کس طرح تنظیم المدارس کی اعلیٰ سطحی کمیٹی میں جا گھسا۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں اس شخص کی مکروہ حرکتوں سے تنظیم المدارس کا نظام اور اس کی شفافیت و غیر جانبداری بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ میرے دارالعلوم کے طلباء کو نقصان پہنچانے میں اس کا مرکزی کردار ہے۔ نہ صرف تنظیم المدارس بلکہ جماعت اہل سنت پاکستان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے اور جماعت کی قیادت کی کردار کشی میں یہ پیش پیش رہا ہے۔

دلیل راہ: آپ عرصہ دراز تک جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں پڑھاتے رہے ہیں۔ وہاں کے تعلیمی اور انتظامی ماحول کو کیسا پایا؟

☆☆ بہتر کام ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ علماءِ کرام کی کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

دلیل راہ: آپ کا اپنا دارالعلوم بھی ہے۔ اس میں کس درجہ تک تعلیم کا بندوبست ہے؟ اور کیا آپ اس کی ترقی اور معیار سے مطمئن ہیں؟

☆☆ میرے جامعہ جماعتیہ مہر العلوم میں دورہ حدیث تک تعلیم کا انتظام ہے اور الحمدللہ میں اس کے معیار سے مطمئن ہوں۔ تنظیم المدارس کے تحت چلنے والے جتنے بھی مدارس ہیں تعلیمی معیار کے اعتبار سے ہم کسی سے پیچھے نہیں بلکہ صفِ اول میں نظر آئیں گے بشرطیکہ تنظیم المدارس کی سطح پر غیر جانبداری اختیار کی جائے۔

دلیل راہ: قرآن مجید کی تفسیر آپ نجوم الفرقان کے نام سے لکھ رہے ہیں، کچھ دیگر کتب بھی آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔ ان کتب کی تعداد کتنی ہے اور لکھنے کی طرف کیسے رجحان ہوا؟

☆☆ میری تفسیر ''نجوم الفرقان'' کی آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ابھی پانچواں پارہ زیرِ ترتیب ہے۔ اس کے علاوہ تسکین الجنان فی محاسنِ کنز الایمان، شمع ہدایت، اسلام میں عورت کا مقام، نمازِ حبیبِ کبریا ﷺ، تذکرۃ الانبیاء، فضائل رمضان اور موت کا منظر تصنیف کی ہیں۔ کنز الدقائق، نور الایضاح، قدوری، تلخیص المفتاح، اور ہدایہ پر عربی جبکہ میزان الصرف، مراح الارواح اور سراجی پر اردو حواشی اور حسامی کے باب القیاس کا اردو خلاصہ لکھے ہیں۔

دلیل راہ: آپ کی روحانی نسبت کہاں سے ہے؟

☆☆ غالباً بارہ برس کی عمر تھی کہ مجھے حضرت پیر سید غلام محی الدین المعروف بابو جی ابنِ سید الاولیاء حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

دلیل راہ: خانقاہی نظام کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیا آج کا خانقاہی نظام اسلام کی حقیقی تعلیمات کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہو رہا ہے؟

☆☆ صوفیاء کرام اور بزرگانِ دین نے اسلام کی اشاعت اور انسانیت کی اصلاح میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ خانقاہی نظام کے فوائد سے انکار ممکن نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ خانقاہ اور تعلیم و تربیت کا اہتمام لازم و ملزوم ہیں۔ خانقاہ کے ساتھ دارالعلوم بھی ہونا چاہیئے۔ آج کے دور میں بہت کم خانقاہوں پر مدارس موجود ہیں۔ دعا کرنی چاہیئے کہ جہاں جہاں کچھ کمی پائی جاتی ہے وہ دور ہو جائے۔

دلیل راہ: کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے اور کام کرنے کا کبھی اتفاق ہوا ہے؟

☆☆ جمعیت علماءِ پاکستان میں ایک سال تک ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس وقت خواجہ قمرالدین سیالوی علیہ الرحمہ اس کے مرکزی صدر تھے۔ 1970ء کے قومی انتخابات کے موقع پر میں لاہور میں ہوتا تھا۔ مولانا سلیم اللہ صاحب پیپلز پارٹی کے امیدوار ڈاکٹر مبشر کے مقابلہ میں JUP کے امیدوار تھے چنانچہ ہم نے مولانا سلیم اللہ کی انتخابی مہم زور وشور سے چلائی۔ بعد میں سیاسی انتشار کی وجہ سے سیاست سے الگ ہوگیا۔

دلیل راہ: دینی سیاسی جماعتوں کے حال اور مستقبل پر آپ کا تبصرہ کیا ہوگا؟

☆☆ میرے خیال میں علماءِ کرام کو موجودہ سیاست سے کنارہ کشی ہی مناسب ہے کیونکہ آج کے دور کی سیاست جھوٹ، دھوکہ اور مکاری کے سوا کیا ہے، لہٰذا ایسی سیاست سے توبہ ہی بہتر ہے۔

دلیل راہ: قیامِ پاکستان کے وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ کیا تحریکِ پاکستان کی کوئی جھلک دل ودماغ میں محفوظ ہے؟

☆☆ میری پیدائش قیام پاکستان کے دو ماہ بعد کی ہے۔ اکتوبر 1947ء میں میری پیدائش ہوئی البتہ جو کچھ معلوم ہوا وہ بزرگوں سے سنا۔

دلیل راہ: علماءِ اہل سنت نے قیام پاکستان کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا تھا، بعد ازاں ملکی سیاست اور مسلم لیگ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ پھر اپنا سیاسی پلیٹ فارم بنالیا۔ جس کے کوئی خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوئے۔ ان حالات میں قابل عمل اور فکری لحاظ سے مفید اندازِ سیاست کیا ہوسکتا ہے؟

☆☆ اب نہ وہ مسلم لیگ رہی اور نہ وہ حالات، پھر مسلم لیگیں بھی کئی ایک ہیں۔ کس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

دلیل راہ: آپ کے نزدیک خطہ ارضی پر سب سے پسندیدہ مقام کونسا ہے؟

☆☆ حرم شریف اور پھر حضور سرورِ کائنات کا روضہ انور ہے۔

دلیل راہ: زندگی کا کوئی یادگار واقعہ یا دن جس نے آپ کی زندگی پر خوشگوار اثرات چھوڑے ہوں؟

☆☆ زندگی کا اہم ترین اور یادگار دن تو وہی ہے جب مجھے حضرت پیر غلام محی الدین شاہ المعروف بابو جی علیہ الرحمہ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

دلیل راہ: زندگی کا یادگار سفر؟

☆☆ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا۔ وہی سفر یادگار ہے اور مبارک بھی اور جب مدینہ منورہ کی طرف عازمِ سفر ہوا تو کیفیت ہی عجیب تھی۔ ابھی مدینہ منورہ سے تقریباً سات کلومیٹر دور تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور نظر حضور شفیع المذنبین ﷺ کی مسجد شریف کے میناروں پر تھی۔

دلیل راہ: لباس کے رنگ کے ضمن میں آپ کی پسند کیا ہے؟

☆☆ میں ہمیشہ سفید رنگ کا لباس ہی زیب تن کرتا رہا ہوں لیکن اب کچھ عرصہ سے طریقہ یہ ہے کہ جس رنگ کا میسر ہو پہن لیتا ہوں۔

دلیل راہ: خوشبو میں سے کون سی زیادہ پسند ہے؟

☆☆ خوشبو کے ضمن میں کوئی خاص پسند نہیں رکھتا۔ دوست احباب اکثر خوشبو تحفۃً دیتے رہتے ہیں، جو بھی ہو استعمال کرلیتا ہوں۔

دلیل راہ: پھولوں میں سے کونسا پھول زیادہ پسند ہے؟

☆☆ موتیا کا پھول اور اس کی خوشبو پسند ہے۔ میرے طلبہ بھی جانتے ہیں کہ میں بعض اوقات دورانِ تدریس بھی اپنے سامنے ڈیسک پر موتیا کے پھول رکھ لیا کرتا تھا۔

دلیل راہ: اپنی اولاد کے متعلق کچھ بتانا پسند فرمائیں گے؟

☆☆ جی تو یہ چاہتا تھا کہ میرے بیٹے لائق مولوی بنیں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سب بچوں نے قرآنِ مجید حفظ کیا ہے۔ بڑے بیٹے نے درسِ نظامی کی کتب بھی مجھ سے پڑھیں اور بہت ذہین تھا۔ میری سوچ یہ تھی کہ بچے دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم بھی حاصل کریں۔ لہٰذا ہوا یہ کہ دنیوی تعلیم ان پر غالب آگئی۔ کسی نے ایم۔بی۔اے کیا، کسی نے ایم۔سی۔ایس اور کسی نے بی۔ایس۔سی اور اس طرح مختلف ملازمتوں میں چلے گئے۔

دلیل راہ: جماعت اہل سنت پاکستان کی قیادت سے آپ کیا توقعات رکھتے ہیں۔

☆☆ جماعت اہل سنت پاکستان کے پہلے صدر علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ تھے۔ ان کا ایک انٹرویو پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جماعت اہل سنت ایک غیر سیاسی جماعت ہے۔ میں سمجھتا ہوں جماعت اہل سنت کو اسی حیثیت میں کام کرتے رہنا چاہیے۔ محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ جماعت اہل سنت کا منظم ہونا مسلکِ اہل سنت کے تحفظ، ترقی اور حقوق کے دفاع کے لئے ضروری ہے۔

✿ **دلیل راہ:** دینی مدارس کے طلبہ کے نام آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

☆☆ طلبہ سے میں یہ ہی کہوں گا کہ دینی تعلیم کے حصول کا مقصد قرآن وحدیث کا فہم حاصل کرنا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ مقصد نوکری کا حصول نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اللہ کی رضا پیشِ نظر رہنی چاہیئے۔

✿ ✿ ✿

ضربِ خاتم

پیر غلام رسول فیروزی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین و علیٰ الہٖ واصحابہٖ اجمعین اما بعد

ختم نبوت پر قرآنی آیات

ما کان محمد ابآ احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شئی علیما (الاحزاب۔۳۳:۴۰)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ بھی نہیں ہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت پوری کائنات کے لئے ہے۔ کوئی علاقہ اور کوئی قوم رحمۃ اللعالمین کی پہنچ سے باہر نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (الاعراف۔۷:۱۵۸) کہ فرمادیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

آپ کی تعلیمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ علم و ہنر اور رشد و ہدایت کا کوئی گوشہ اس معلم کتاب وحکمت ﷺ کے فیض سے محروم نہیں۔ سیاست اور معیشت، اخلاق و معاشرت، سائنس اور طب، تعلیم و اصلاح وغیرہ کے تمام پہلوؤں میں آپ ﷺ نے مکمل رہنمائی فراہم کردی ہے۔

آپ کے تشریف لانے کے ساتھ ہی کاغذ کی ایجاد، ڈاک سسٹم کی ترویج اور آہستہ آہستہ مواصلاتی نظام کی بے پناہ ترقی سے پوری دنیا باہم مربوط ہوچکی ہے۔ جس سے ایک ہی پیغام کو عالمی سطح پر مشتہر کرنا بالکل آسان ہوچکا ہے۔ عالمگیر نبوت کا پیغام عالمی سطح تک پھیلانے کا یہ خدائی بندوبست ہے۔ سائنس کی یہ ترقی ختم نبوت کے ساتھ بڑا گہرا تعلق رکھتی ہے۔

پھر بھی جدید پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کا مکمل سسٹم جاری کردیا گیا ہے۔ اس منصوبے کی قیامت تک کے لئے حتمی حیثیت کے پیش نظر اللہ کریم نے اعلان فرمادیا: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (المآئدۃ۔۵:۳)

کہ آج میں نے تمہاری خاطر تمہارے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا۔

گویا اجتہاد کا قیامت تک کے لئے جاری ہوجانا بھی ختم نبوت کی بڑی واضح دلیل ہے۔ اس کے علاوہ کفار کے خلاف حتمی کارروائی کے طور پر جہاد کا حکم بھی ختم نبوت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے بعد کسی دوسری آسمانی تعلیم کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے بعد قیامت کا ذکر کیا گیا ہے، فرمایا: والذین یومنون بما انزل الیک و ما انزل من قبلک و بالاٰخرۃ ھم یوقنون (البقرہ۔۲:۴)

کہ متقی وہ ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہونے والے اور آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والے پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت میں آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی وحی کا بھی ذکر ہے اور خود آپ ﷺ پر نازل ہونے والی آسمانی وحی کا بھی ذکر ہے، لیکن آپ ﷺ کے بعد میں نازل ہونے والے آسمانی احکام کی بجائے فرمایا:

وبالاٰخرۃ ھم یوقنون

یعنی وہ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

پورا قرآن پڑھ کر دیکھ لیجئے آخرت اور یوم آخرت کے الفاظ قیامت کے معنے میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اب قیامت تک کے لئے نبوت اور وحی نبوت کا دروازہ بند کردیا گیا ہے۔

ختم نبوت پر احادیث:

یہ گزارش اچھی طرح یاد رکھیئے کہ قرآن کے معانی ومفاہیم نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں ہی معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ ہر زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوا کرتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ احتمال اور بھی زیادہ موجود ہے۔ خصوصاً قرآن میں تو زبردست احتمالات ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً: صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج وغیرہ کے لفظی معنے بالترتیب رحمت، پاکیزگی، رکنا اور غلبہ ہیں۔ اب یہ الفاظ بول کر اللہ تعالیٰ نے کیا کہنا چاہا ہے؟ اس بات کا فیصلہ لغت (Dictionary) نہیں دے سکتی۔ یہ فیصلہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اس کتاب کے معلم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (النحل۔۱۶:۴۴)

کہ ہم نے یہ قرآن آپ ﷺ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی وضاحت کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

یہ ایمان اور نصیب کا ایسا موڑ ہے کہ اگر کسی کی سوچ کا سٹیئرنگ حدیث کو چھوڑ کر صرف لغت کی طرف مڑ گیا تو وہ زمانہ در زمانہ اور علاقہ در علاقہ بدلتی رہنے والی لغات کے سنگلاخ جنگلوں میں بھٹک گیا اور اگر کسی کی سوچ کا رخ حدیث رسول ﷺ کی طرف ہوگیا تو اسے ایک فیصلہ کن چیز (یعنی حکمت) ہاتھ آگئی اور وہ قرآن کے حقیقی معنیٰ اور منشائے خداوندی سے آگاہ ہوگیا۔ اس انتباہ کے بعد مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ کیجئے:

WWW.NAFSEISLAM.COM

حدیث1: کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی و سیکون خلفآء فیکثرون قالو ماذا تامرنا یارسول اللہ. قال فو بیعۃ الاول فالاول اعطوا حقھم فان اللہ سآئلھم عما سترعاھم (بخاری، جلد1،ص۴۹۱۔ومسلم جلد1،ص۱۲۶ومشکوٰۃ ص۳۲۰)

ترجمہ: بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح کا کام انبیاء کے ذمے تھا۔ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آجاتا تھا،لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، بلکہ اب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے فرمایا: پہلے بیعت نبھاؤ بس پہلے کی بیعت نبھاؤ۔تم ان کا حق ادا کرتے رہو۔اللہ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا۔

اس حدیث میں ختم نبوت کی وضاحت چار طرح سے کردی گئی ہے۔

ا۔ بنی اسرائیل کے پے در پے آنے والے انبیاء علیہم السلام کی بجائے لا نبی بعدی کے الفاظ فرمائے گئے۔اس سے ظل اور بروز وغیرہ کی جڑ کٹ گئی۔

ب۔ کثرت سے خلفاء کا ہونا بھی اس بات کو واضح کررہا ہے کہ خلفاء سے مراد انبیاء نہیں ہیں،ورنہ چودہ سو سال میں بے شمار انبیاء آچکے ہوتے۔

ج۔ پہلے خلیفہ کی بیعت نبھانے کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایک ہی زمانے میں کئی خلفاء موجود ہوا کریں گے۔خلفاء کی یہ کثرت بھی ختم نبوت میں کسی ظلی اور بروزی رخنہ اندازی کی اجازت نہیں دیتی۔

د۔ ''تم ان کا حق ادا کرتے رہو۔اللہ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا''۔ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ خلفاء معصوم نہیں ہوں گے اور جو معصوم نہ ہو وہ نبی نہیں ہوتا۔

حدیث2۔ ان مثلی ومثل الانبیآء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فاحسنہ واجملہ الا موضع اللبنۃ فی زاویۃ فجعل النس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ فانا اللبنۃ وانا خاتم النبین (بخاری جلد1،صفحہ۵۰۱ومسلم جلد2صفحہ۲۴۸وترمذی جلد2صفحہ۲۲۴)

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے ایک حسین وجمیل محل بنایا ہو مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔لوگ آکر اس محل میں گھوم پھر کر دیکھتے ہوں اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی ہے۔بس میں وہ آخری اینٹ ہوں اور میں خاتم النبین ہوں۔

حدیث3: سیکون فی امتی کذا بون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبین لا نبی بعدی (بخاری جلد1ص۵۰۹ومسلم جلد2صفحہ۳۹۷)

ترجمہ: میری امت میں تیس جھوٹے شخص ہوں گے،ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا،حالانکہ میں آخری نبی ہوں،میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حدیث4: ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی (ترمذی جلد2صفحہ۶۲)

ترجمہ: بلاشبہ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہوچکی ہیں اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

حدیث5: بعثت انا والساعۃ کھاتین (بخاری جلد2صفحہ۹۶۳ومسلم جلد2صفحہ۴۰۶)

ترجمہ: میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں (یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں)

حدیث6: انا العاقب الذی لیس بعدہ احد (مسلم جلد2صفحہ۲۶۱)

ترجمہ: میں عاقب ہوں،اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک بھی نہ ہو۔

حدیث7: اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (بخاری جلد1صفحہ۵۲۶ومسلم جلد2صفحہ۲۷۸ومشکوۃ صفحہ۵۶۳)

ترجمہ: اے علی! کیا آپ خوش نہیں کہ آپ میرے وہی کچھ لگتے ہیں جو موسیٰ کے ہارون لگتے تھے۔فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

حدیث8: لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (ترمذی جلد2صفحہ۲۰۹ومشکوۃ صفحہ۵۵۸)

ترجمہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے مثالیں دے دے کر اور الفاظ پھیر پھیر کر ختم نبوت کی وضاحت کی حد کردی ہے۔آپ ان احادیث کا

دوبارہ مطالعہ کریں۔ آخر اس سے بڑھ کر کون سے الفاظ کا استعمال کیا جاتا، جس سے منکرین ختم نبوت کی تشفی ہوتی؟ نبی کریم ﷺ نے کہیں فرمایا ''پے در پے انبیاء کی بجائے اب خلفاء ہوں گے'' کہیں فرمایا ''انبیاء کے محل کی آخری اینٹ میں ہوں'' کہیں فرمایا: ''لا نبی بعدی'' کہیں فرمایا: ''نبوت ختم ہوگئی'' کہیں فرمایا ''میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں'' کہیں فرمایا: ''میں عاقب ہوں'' کہیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ماتحت نبوت کی نفی کردی۔ کہیں یہاں تک وضاحت کردی کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔

ان تمام احادیث میں لفظ ''خاتم'' کی ایسی زبردست وضاحت کردی گئی ہے کہ ایک بد دماغ شخص کا دماغ بھی ٹھکانے پر آجائے۔

جس قوم کے پاس ختم نبوت پر دلائل کا اس قدر ذخیرہ موجود ہو وہ یقیناً اس عقیدے کو اختیار کرنے میں حق بجانب ہے اور وہ اس موضوع پر اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہے۔

مرزا قادیانی کا اپنا بیان:

مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ''میں نبوت کا مدعی نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)

حیات مسیح علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانا اور قیامت کی نشانی کے طور پر آسمان سے نازل ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ ختم نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے تمام مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں۔، مدارک، خازن، تفسیراتِ احمدیہ اور مظہری وغیرہ میں اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کردیا گیا ہے۔ مثلاً تفسیر مظہری کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو نبی کریم ﷺ کی شریعت پر چلیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ان کو نبی کریم ﷺ سے پہلے نبوت مل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانی خبروں کا سلسلہ نبی کریم ﷺ پر ختم کردیا ہے، لیکن کسی نبی کا باقی رہنا ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے (مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۵۱)

ہاں البتہ جس طرح مرزا قادیانی کی ایک نئی شخصیت نے کھڑے ہوکر نبوت اور مسیحیت کا دعویٰ کردیا ہے۔ یہ ضرور ختم نبوت کے تمام اعلانات کے منافی ہے۔ اب آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت کی نشانی کے طور پر جسم سمیت واپس آنے کا ختم نبوت کے ساتھ ایک گہرا رشتہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیت سے ثابت ہے: **وما قتلوه يقيناً (۱۵۷) بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزًا حكيماً (۱۵۸) وان من اهل الكتب الا ليومنن به قبل موته ويوم القيمة يكون عليهم شهيداً (۱۵۹)** (النساء۔۴: ۱۵۷ تا ۱۵۹)

ترجمہ: اسے یہودیوں نے یقیناً قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ تمام اہل کتاب اس کی موت سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔

یہاں قادیانی ایک سوال اٹھایا کرتے ہیں کہ اس آیت میں آسمان کا لفظ کہیں موجود نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا'' سے مراد آسمان پر اٹھانا ہی ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے لیکن اس کی سلطنت کا ظہور کامل آسمانوں میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خود کا آسمانوں میں ہونا بیان فرماتا ہے (تفسیر جامع البیان میں ہے: **لان السماء محل ظهور سلطانه**) یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو معراج کے لئے آسمان پر لے جایا گیا، ورنہ اللہ تعالیٰ تو زمین پر بھی موجود تھا۔ قرآن پڑھیئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ء امنتم من فى السماء ان يخسف بكم الارض فاذا هى تمور (ملک: ۱۶)

اس آیت کا ترجمہ قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین نے اس طرح کیا ہے:

کیا آسمان میں رہنے والی ہستی سے تم اس بات سے امن میں آگئے ہو کہ وہ تم کو دنیا میں ذلیل کرے (ترجمہ مرزا بشیر الدین)

یہاں مرزا بشیر الدین نے اللہ تعالیٰ کو صاف طور پر آسمان میں رہنے والی ہستی قرار دیا ہے اس سے اگلی آیت میں بھی **ء امنتم من فى السماء** کے الفاظ موجود ہیں۔ اور مرزا بشیر الدین نے وہاں بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔

حدیث شریف میں بھی یہی ہے کہ جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو اور جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی و مشکوۃ صفحہ ۴۲۳)

مرزا قادیانی خود بھی لکھتے ہیں کہ: **رافعک الی** کے یہ معنے ہیں کہ جب عیسیٰ فوت ہوگئے تو ان کی روح آسمان پر اٹھائی گئی۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۲۲)

اب بتایئے کہ مرزا قادیانی نے آسمان کا لفظ کہاں سے نکالا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو آسمان پر کیسے پہنچادیا۔ جو آپ کا جواب

ہوگا وہی ہمارا جواب ہے۔

صحیح اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کرتے وقت اس قسم کی ہیرا پھیری کی بجائے نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جو خالص اسی موضوع پر وارد ہوئی ہیں۔

اس آیت کی تشریح نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمائی ہے: ''اللہ کی قسم تم میں عیسیٰ ابن مریم ضرور نازل ہوگا، حکومت کرے گا، عدل کرے گا، صلیب کو توڑ دے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا (یعنی صلیب پرستی اور خنزیر خوری ختم ہو جائے گی) جنگ بند کرے گا، (یعنی امن عامہ کی وجہ سے جنگ کی ضرورت ہی نہ رہے گی) دولت اس قدر بہائے گا کہ اسے کوئی بھی قبول نہ کرے گا۔ نوبت یہاں تک آجائے گی کہ لوگ ایک سجدہ کرنا دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر سمجھیں گے''۔ پھر ابو ہریرۃ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: **وان من اھل الکتب الا لیومنن به قبل موتة ویوم القیمة یکون علیهم شهیداً** کہ تمام اہل کتاب اس کی موت سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۴۹۰ و مسلم جلد ا صفحہ ۸۷ و ترمذی جلد ا صفحہ ۴۶ و ابن ماجہ صفحہ ۲۹۹، واللفظ للبخاری)

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرقی سفید مینار کے پاس نازل ہوگا۔ اس نے دو زرد چادریں اوڑھی ہوں گی۔ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔ جب اپنے سر کو جھکائے گا تو اس میں سے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائے گا تو جواہرات جیسے موتی گریں گے۔ اس کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ وہ دجال کو لُد کے دروازے کے پاس پکڑ کر قتل کر دے گا۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۷ و مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۱۔۴۰۳ و ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ و ابن ماجہ صفحہ ۲۹۷)

واضح رہے کہ لد آج کل اسرائیل کے ایک ائرپورٹ کا نام ہے۔

ردعیسائیت اور حیاتِ مسیح علیہ السلام:

عیسائیوں نے جب بھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اعتراض کیا تو اہلِ اسلام نے ہمیشہ اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی عیسائی نے یہ سوال رکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر موجود ہیں جبکہ آپ کے نبی زمین میں دفن ہیں، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے نبی سے افضل ہوئے۔ آپؒ نے فرمایا: اگر اس طرح اوپر جانے سے فضیلت ثابت ہوتی ہو تو پھر پانی کا بلبلا موتیوں سے افضل ہونا چاہئے کیونکہ بلبلا پانی کے اوپر رہتا ہے جبکہ موتی پانی کی تہ میں بیٹھا ہوتا ہے۔ عیسائی نے یہ سوال ایک شعر کی صورت میں کیا تھا اور شاہ صاحب نے اس کا جواب بھی شعر میں ہی دیا تھا۔ دونوں شعر ملاحظہ کیجئے:

سوال:

کسے بگفت کہ عیسیٰ زِ مصطفیٰ اعلیٰ است
کہ ایں بزیر زمیں دفن وآں باوجِ سما است

جواب:

بگفتمت کہ نہ ایں حجت قوی باشد
حباب بر سرِ آب وگوہر تہِ دریا است

مرزا قادیانی کو بھی شروع شروع میں عیسائیت کے رد کا بہت شوق تھا، لیکن ایسے کاموں کے لئے لیاقت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرزا قادیانی سے جب عیسائیوں کے اس قسم کے اعتراضات کے جواب نہ بن سکے تو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ وقت کے علماء اور مشائخ کی طرف رجوع کرتے اور ان سے رہنمائی لیتے لیکن مرزا قادیانی نے اس کے برعکس یہ ترکیب نکالی کہ کیوں نہ ہو کہ حیات مسیح علیہ السلام کا سرے سے انکار ہی کر دیا جائے۔ نہ بجے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ چنانچہ وہ خود اپنی کتاب کشتی نوح میں یوں لکھتے ہیں: خوب یاد رکھو کہ بجز موتِ مسیح، صلیبی عقیدہ (عیسائیت) پر موت نہیں آسکتی (کشتی نوح صفحہ ۲۵)

لیکن مرزا قادیانی ان حقائق کو بھول گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ (سورہ مریم وغیرہ) اور اللہ نے ان کا نام روح اللہ اور کلمۃ اللہ رکھا ہے (آلِ عمران) وہ اپنے ہاتھ سے مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تھے تو وہ اصلی پرندہ بن جاتا تھا۔ وہ بیماروں کو شفا دیتے اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ (آل عمران) کیا یہ سب باتیں عیسائیت کے ہاں حضرت عیسیٰ کی خدائی کو تقویت نہیں دے رہے؟ کیا آپ ان تمام حقائق کا انکار محض اس لئے کر دیں گے کہ ان سے عیسائیت کو تقویت مل رہی ہے؟ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کے حوالے سے پوری پوری سورتیں موجود ہیں۔ آلِ عمران، مائدہ اور مریم۔ کیا ان سب کو بھی عیسائی دشمنی میں آ

کر قرآن سے نکال باہر کریں گے؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا مرزا قادیانی نے وفاتِ مسیح کا شوشا چھوڑ کر عیسائیوں کو مطمئن کر دیا ہے؟ کیا واقعی صلیبی عقیدے پر موت طاری کر دی گئی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی عیسائی لوگ قادیانیت کو قبول کرنے کی بجائے دھڑا دھڑ اسلام کو قبول کرتے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کا حیاتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اس کام میں رکاوٹ نہیں ڈال رہا، بلکہ زبردست مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں اور اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و آبرو موجود ہے تو ان کا دل اسلام کے لئے خود بخود نرم ہو جاتا ہے اور خدا گواہ ہے کہ میں یہ بات محض ہوائی اور بے بنیاد نہیں کر رہا بلکہ میں نے خود عیسائیوں سے گفتگو کی ہے اور اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر یہ بات عرض کر رہا ہوں۔

آج تک عیسائیوں نے حیاتِ مسیح علیہ السلام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا، یہ شوشا محض قادیانیوں نے خود چھوڑ رکھا ہے اور عیسائیوں کی مخالفت کا ڈھونگ رچائے بیٹھے ہیں۔ کسی عیسائی نے جو شعر فارسی زبان میں کہا تھا، قادیانی وہی بات اردو کے اس شعر میں کہتے ہیں:

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر
مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

اس شعر کے لکھنے والوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ اس شعر سے عیسائیت کی تردید کر رہے ہیں یا تائید؟ قادیانیوں کے اس عیسائی نما شعر کا ہم یوں جواب دیتے ہیں:

افضل ہے آسماں سے وہ سر زمینِ طیبہ
مدفون ہے جہاں پر شاہِ جہاں ہمارا

یہ شعر بھی میں نے پوری ذمہ داری سے لکھا ہے۔ اس امر پر پوری امت کا اجماع ہے کہ آج جس جگہ سے ہمارے نبی کریم ﷺ کا جسم اطہر چھورہا ہے وہ جگہ عرشِ عظیم سے بھی افضل ہے۔ کاش مرزا قادیانی عیسائیت کی تردید کے لئے گھر سے نکلنے سے پہلے وسیع مطالعہ اور مکمل تیاری کر لیتے۔

چلئے سب کچھ چھوڑیئے، آپ عیسائیوں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں؟ ذرا انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ملاحظہ کر لیجئے۔ جس میں وہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی خواہش فرما رہے ہیں۔ آپ کا ردِ عیسائیت کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور حیاتِ مسیح کا عقیدہ بھی درست معلوم ہونے لگے گا۔ انصاف شرط ہے۔

حضرت عیسیٰ کی دعا:

انجیل برنباس کے الفاظ پڑھیئے

UNWORTHY THOUGH I AM TO UNTIE HIS HOSEN I HAVE RECIEVED GRACE AND MERCY FROM GOD TO SEE HIM (BARNABAS:97-1)

ترجمہ: اگرچہ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں ہوں، میں نے اللہ سے اس بات کی عاجزانہ دعا کی جو اس نے قبول کر لی کہ میں اس سے مل سکوں۔

حضرت عیسیٰ کی یہ دعا قبول ہوئی، یہی وجہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور قرآن کے مطابق فیصلے کریں گے۔ (مسلم جلد ا ص ۸۷)
وہ حج یا عمرہ کریں گے، اور مکہ شریف سے مدینہ شریف تک سفر کریں گے۔ (مسلم جلد ۲، ص ۴۰۸)
واضح رہے کہ مرزا قادیانی نے زندگی بھر نہ حج کیا اور نہ عمرہ۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''سیف چشتیائی'' میں یہی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ زادھا اللہ شرفا میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا اور جوابِ سلام سے مشرف ہونا' یہ نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔'' (سیفِ چشتیائی ص ۱۰۸)

حضرت پیر صاحب کی اس پیشین گوئی کے بعد مرزا قادیانی چھ سال زندہ رہے مگر پیر صاحب کی اس پیشین گوئی کو غلط ثابت نہ کر سکے اور حج و عمرہ کی سعادت سے بے نصیب رہے، جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً

حضرت عیسیٰ مدینہ شریف میں نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس میں دفن ہوں گے اور قیامت کے روز نبی کریم ﷺ اور حضرت عیسیٰ دونوں

ایک ہی روضے سے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا عمر فاروق اعظم ؓ کے بیچ میں سے اٹھیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۴)

حضرت عبداللہ بن سلام (جو سابق یہودی عالم تھے) فرماتے ہیں کہ تورات میں نبی کریم ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم کا ایک جگہ دفن ہونا لکھا ہوا ہے۔ ابومودود فرماتے ہیں کہ آج بھی روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے (ترمذی شریف، مشکوٰۃ ص ۵۱۵)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اے میری امت! تمھاری شان اس وقت کیا ہوگی جب عیسیٰ ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ (مسلم ج ۱، ص ۸۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے اور نبی کریم ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل کرنے کے لئے دوبارہ تشریف لانے میں نبی کریم ﷺ کی جو شان پوشیدہ ہے وہ ان تمام دلائل سے اچھی طرح واضح ہو رہی ہے اور اس میں امت مسلمہ کے لئے جو اعزاز پنہاں ہے اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ظہور مہدی:

حدیث شریف میں ہے کہ یہ امت کس طرح ہلاک ہوسکتی ہے، جس کے شروع میں مَیں ہوں، درمیان میں مہدی اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۸۳)

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں جبکہ مرزا قادیانی کا دعوٰی یہ ہے کہ وہ خود ہی عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اور وہی مہدی بھی ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری اس امت کے لئے اعزاز ہی اعزاز ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مہدی میری عترت سے ہوگا، فاطمہ کی اولاد سے ہوگا۔'' (ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۳۲، ابن ماجہ ص ۳۰۰ و مشکوٰۃ ص ۴۷۰)

اس حدیث میں حضرت امام مہدی کا رسول اللہ ﷺ کی آل میں سے ہونا صراحۃً مذکور ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے الفاظ تمام تاویلاتِ بعیدہ کا دروازہ بند کر رہے ہیں اور مرزا قادیانی کے مغل (مرزا) ہونے کی وجہ سے ان کی مہدویت کو پاش پاش کر رہے ہیں۔

قادیانی حضرات اپنے مرزا قادیانی کی مہدویت کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کا ایک ٹکڑا ''لا مھدی الا عیسیٰ'' پڑھ دیا کرتے ہیں، یعنی عیسیٰ کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس و لا المھدی الا عیسیٰ ابن مریم'' یعنی قیامت شریر ترین لوگوں پر قائم ہوگی اور اس وقت عیسیٰ ابن مریم کے سوا کوئی ہدایت پر نہ ہوگا۔

اس مکمل حدیث کو پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں مہدی کا لفظ عربی زبان کے لفظ کے طور پر اپنے لفظی معنے میں استعمال ہوا ہے اور یہاں مہدی سے مراد امام مہدی نہیں ہیں۔ (ایک علمی بات یہ ہے کہ ذات کا حصر ذات میں یا صفت کا حصر صفت میں نہیں ہوا کرتا)۔

شناخت:

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی اپنی مسیحیت کو ثابت کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ استعارے کے رنگ میں وہ خود ہی مریم بنے، پھر انہیں حمل ہوا، پھر ان سے عیسیٰ پیدا ہوا، وہ پیدا ہونے والا عیسیٰ بھی یہ خود ہی تھے، اس طرح وہ عیسیٰ ابن مریم ٹھہرے (دیکھئے: کشتی نوح ص ۶۸ تا ۶۹)

جب ان سے پوچھا گیا کہ احادیث میں حضرت عیسیٰ کا نزول دمشق میں بتایا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ دمشق سے مراد قادیان ہے، جو دمشق سے مشابہت رکھتا ہے۔ (دیکھئے: حاشیہ ازالۂ اوہام ص ۶۳ تا ۷۳)

احادیث کی روشنی میں حضرت عیسیٰ کا نزول سفید مینار کے پاس ہوگا ان صاحب نے اس طرح کا مینار خود آ کر قادیان میں تعمیر کرا لیا اور خانہ پری مکمل کر لی۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ حدیث شریف کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو لُد کے دروازے پر قتل کریں گے تو ان صاحب نے جواب دیا کہ لُد سے مراد لُدھیانہ ہے اور دجال کو قتل کرنے سے مراد مخالفین کو علمی طور پر شکست دینا ہے۔ (دیکھئے: الھدیٰ ص ۹۱)

اور جب ان سے پوچھا گیا کہ قرآن شریف کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا ثابت ہے، آپ بھی یہ سارے کام کر کے اپنی مسیحیت کو ثابت کریں، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب مسمیرزم (ایک قسم کا جادو) تھا اگر میں ان چیزوں کو

WWW.NAFSEISLAM.COM

جائز سمجھتا تو کسی طرح عیسیٰ ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ (ازالۂ اوہام ص ۱۲۸)

فردواحد کے مختلف دعوے:

قادیان میں جن صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ وہی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۴)

اور وہی مسیح ابن مریم ہیں (حقیقت الوحی وازالہ اوہام وغیرہ)

اور وہی امام مہدی ہیں (سیرت المہدی وغیرہ)

ان کی کتابوں میں کہیں صرف مجدد ہونے کا دعویٰ موجود ہے، کہیں باقاعدہ نبوت کا اعلان پایا جاتا ہے۔ (ازالہ اوہام اور ایک غلطی کا ازالہ وغیرہ)

اور کہیں مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ: ''میں نبوت کا مدعی نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔'' (آسمانی فیصلہ ص ۳)

کوئی دوسرا ان کے متضاد بیانات کو کیا سمجھے گا۔ خود ان کے ماننے والے بھی اس چکر کو نہ سمجھ سکے اور وہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ صرف مجددیت کا قائل ہے۔ جسے لاہوری گروپ کہا جاتا ہے اور دوسرا فرقہ نبوت و مسیحیت کا قائل ہے جسے قادیانی گروپ کہا جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو احمدیت سے خارج سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف لٹریچر شائع کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اچھا خاصا الجھا ہوا ہے اور ان کے مذہب میں داخل ہونے والے ایسے نئے لوگوں کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہے، جو ذرا سی بھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں، بلکہ اب تو ان کے اپنے نوجوانوں میں بھی ہیجان اور چہ میگوئیاں شروع ہو چکی ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مرزا قادیانی کا اپنا لٹریچر اپنے نوجوان طبقے سے چھپا کر رکھتے ہیں اور انہیں صرف بعد کا لکھا ہوا محتاط لٹریچر پڑھاتے ہیں۔

بعض قادیانیوں نے مرزا قادیانی کی ان تضاد بیانیوں سے جان چھڑانے کے لئے ان میں تطبیق دینے کی ناکام کوشش کی ہے، ہم نے ان کی باتوں کا بغور جائزہ لیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسی تمام کاوشیں محض وفاداری کا ثبوت تو کہلا سکتی ہیں مگر صحیح تطبیق نہیں کہلا سکتیں۔ قادیانیوں کے لاہوری گروپ کا وجود میں آجانا اس مسئلے کے ناقابل حل ہونے کا واضح ثبوت ہے، اس گھر کو آگ گئی گھر کے چراغ سے۔

ضبط الکلام فی ردالغلام:

ذیل کی سطور میں ہم نے قادیانیت کے موضوع پر باقاعدہ علم کلام کی بنیاد رکھ دی ہے۔ عین ممکن ہے کہ عوام الناس بعض باتوں کو سمجھنے سے قاصر رہیں لیکن دینی مدارس کے طلباء کو بطور نصاب اس کا پڑھایا جانا از حد مفید ہو سکتا ہے۔ اس غرض سے اگر کوئی عالم دین اس ''ضبط الکلام'' کو الگ چھاپنا چاہیں، یا اس کی شرح لکھنا چاہیں تو میری طرف سے اس کی اجازت ہے، بشرطیکہ اس موضوع پر ان کا مطالعہ وسیع ہو۔

۱۔ حدیث شریف کی موجودگی میں قرآن کا مفہوم لغت سے متعین کرنا باطل ہے۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، خاتم اور رفع وغیرہ میں حدیث کو چھوڑ کر محض لغت کی روشنی میں منشاء خداوندی تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہی اس لئے ہوا کہ وہ اس قرآن کی وضاحت فرمائیں۔ (النحل: ۴۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث کو جاننے والے قرآن کی دوسروں سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں۔ جو لوگ تم سے قرآن کے ذریعے بحث کرتے ہیں تم انہیں حدیث کے ذریعے پکڑا کرو۔ (الشفا، جلد ۲، ص ۱۱)

۲۔ دلیل قطعی کے مقابلے پر اشارے یا اکل سے کھینچا تانی کرنا غلط ہے، جیسے: **بل رفعه الله اليه** کے مقابلے پر **قد خلت** وغیرہ سے استدلال یا آیت ختم نبوت کے مقابلے پر درود ابراہیمی سے استدلال، یہ آیات اور احادیث اس موضوع پر وارد ہی نہیں ہوئیں، جس موضوع پر انہیں زبردستی چسپاں کیا جا رہا ہے، یہ محض ''چونکہ اس لئے'' کا چکر ہے، جو اس پوائنٹ کو سمجھ گیا سو سمجھ گیا اور جو پھسل گیا سو پھسل گیا۔

۳۔ ہم بائبل کو محرف (تبدیل شدہ) سمجھ کر اس میں نبی کریم ﷺ کی بشارات کا کھوج جس طریقے سے لگاتے ہیں وہی طریقہ قادیانیوں نے قرآن کے معاملے میں بھی شروع کر رکھا ہے، حالانکہ قرآن جیسی محفوظ کتاب میں سے عقیدہ ثابت کرنے کے لئے تصریح اور عبارت کا پایا جانا ضروری ہے۔

۴۔ دلیل کا دعویٰ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ قادیانی غیر مستقل نبوت کے قائل ہیں، جبکہ ان کی ہر دلیل سے مستقل نبوت کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔

۵۔ سیاق وسباق کو چھوڑ کر آیت یا حدیث کا مفہوم متعین کرنا درست نہیں۔ جیسے سنن ابن ماجہ کی حدیث: **ولا المهدى الا عيسىٰ** کا پہلا جملہ **لا تقوم الساعة الا على شرار الناس** چھوڑ دینا۔ یا صحیح بخاری میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے وقت حدیث **بينما انا نائم** کا پہلا جملہ **لا والله ما قال النبى بعيسىٰ احمر و لكن قال** کھا جانا، یا سیدنا ابن عباس کا قول **مميتك** پیش کرتے وقت ان کے مشہور الفاظ مقدماً و موخراً ہضم کر جانا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک صریح بددیانتی ہے۔ یہاں پر سمجھدار قادیانیوں کے دماغ اٹک جانے چاہئیں اور انہیں مرزا قادیانی پر سخت گرفت کرنی چاہئے۔

۶۔ معجزہ اور کرامت (یا خوارق عادت) مشکل ضرور ہوا کرتے ہیں مگر ناممکن نہیں ہوا کرتے۔ جیسے شق قمر، معراج جسمانی، نزول آدم علیہ

السلام، رفع ونزول مسیح علیہ السلام اور آکسیجن یا غذا کے بغیر عرصہ دراز تک زندہ رہنا وغیرہ، یہ خوارق بھی سنت اللہ ہی میں داخل ہیں۔ اسی لئے ان سے قرآن لبریز ہے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضات سے گھبرا کر ان حقائق کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ خصوصاً آج کے سائنسی دور نے تو ان تمام باتوں کی تصدیق بھی کرنا شروع کر دی ہے اور یہ قادیانیت کے پس ماندہ (backward) ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

۷۔ حقیقت متعذر نہ ہو تو مجاز کو اختیار کرنا درست نہیں۔ جیسے توفی، رفع، نزول، خاتم اور خلو میں حقیقت متعذر نہیں۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ انکار ختم نبوت کی پوری عمارت انہی چند الفاظ میں مجاز کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہے۔

توفی کے بارے میں مرزا قادیانی کے مشہور چیلنج کا جواب یہ ہے کہ اول تو مرزا قادیانی قرآنی لفظ کے معنی معلوم کرنے میں حدیث پر عقل کو ترجیح دے رہے ہیں اور تصریح کے مقابلے پر اٹکل چلا رہے ہیں اور میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ انکار حدیث ہی فساد کی جڑ ہے۔ ثانیاً قرآن میں بے شمار الفاظ ایسے موجود ہیں جو صرف ایک مقام پر الگ تھلگ مفہوم دے رہے ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہر جگہ مصباح کا معنی ستارہ ہے، مگر سورۃ نور میں مصباح سے مراد چراغ ہے۔ قرآن میں ہر جگہ بعل سے مراد بت ہے مگر سورۃ یوسف میں بعل سے مراد شوہر ہے۔ قرآن میں ہر جگہ یقین سے مراد یقین ہی ہے مگر حتی یاتیک الیقین میں یقین سے مراد موت ہے۔ ثالثاً توفی بمعنی نیند اللہ یتوفی الانفس میں اور ھو الذی یتوفا کم باللیل میں استعمال ہوا ہے، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بحالت نیند اٹھائے جانا تسلیم کیا جانا چاہیئے۔ یہی بات تفسیر ابن کثیر، صاوی، جمل، جلالین، قرطبی، مظہری، کبیر، درمنثور، کشاف، خازن، بیضاوی، جامع البیان، معالم التنزیل، ابن جریر، بحر محیط اور النہر المباد وغیرہ میں لکھی ہے بلکہ جامع البیان صفحہ ۵۲ اور ابن کثیر صفحہ ۳۶۶ جلد ا پر لکھا ہے کہ اکثریت کا یہی قول ہے۔ رابعاً ایک حدیث شریف کے الفاظ ہیں اذا رمی الجمار لا یدری احد ماله حتی یتوفاه الله عز و جل یوم القیامة (الترہیب والترغیب للمنذری کتاب الحج، جلد ۲، صفحہ ۲۰۷)

اس حدیث میں اللہ فاعل ہے، بندہ مفعول ہے اور توفی از باب تفعل استعمال ہوا ہے یہاں ذرا توفی کا ترجمہ موت کر کے دکھایئے۔ بالآخر وہی کہنا پڑے گا جو تمام اہل لغت و مفسرین نے لکھا ہے کہ التوفی ھو اخذ الشئی وافیا یعنی توفی کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کو کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات لفظ توفی سے ثابت نہیں بلکہ توفی کا لفظ رفع کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات لفظِ رفع سے ثابت ہے۔ جو اس آیت میں استعمال ہوا ہے۔ ماقتلوہ یقینا بل رفعه الله الیه (النساء: ۱۵۷۔۱۵۸) یعنی یقیناً اسے یہودیوں نے قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔

اس آیت میں رفع کا لفظ قتل کے مقابلے پر استعمال ہوا ہے اور مفہوم یہ ہے کہ قتل نہ ہوا بلکہ اس کا رفع ہوا۔ اب اللہ کی راہ میں قتل ہونا بذاتِ خود درجات کی بلندی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر رفع سے مراد رفعِ درجات لی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید نہ ہوا بلکہ اس کے درجات بلند ہوئے حالانکہ شہید ہونا اور درجات کا بلند ہونا ایک ہی چیز ہے، پھر شہادت کی نفی اور درجات کا اثبات کیا معنی رکھتا ہے؟

یہاں قادیانی کہتے ہیں کہ تورات کی یہ تعلیم تھی کہ مقتول لعنتی ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تورات کی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے قتل کی نفی یعنی موت کی نفی کی ہے اور اس کے مقابلے میں رفع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات کی یہ تعلیم ہرگز نہیں تھی کہ ہر مقتول لعنتی ہوتا ہے بلکہ یہ تعلیم تھی کہ گناہگار مقتول لعنتی ہوتا ہے (دیکھو تورات کتاب استثناء باب ۲۱، آیت ۲۲، ۲۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بے گناہ تھے لہٰذا اگر بالفرض صلیب پر قتل بھی ہو جاتے تو لعنتی نہ بنتے۔ لہٰذا اس قتل سے مراد شہادت کی موت ہی ہے۔ اور اسی موت کی نفی اس کے مقابلے پر جسمانی رفع کا اثبات کیا گیا ہے۔

اگر ہر مقتول لعنتی ہی ہوتا تو پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام (جو دونوں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے) معاذ اللہ قادیانیوں کے اس فتوے کی زد میں آجائیں گے۔

یہی وہ مرکزی آیت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ جسمی کی صریح دلیل ہے اور اسی آیت سے اپنی گردن چھڑانے کے لئے قادیانی عیسائی دشمنی کے لاکھ دعووں کے باوجود موجودہ مسخ شدہ تورات کا سہارا لے رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کی متواتر احادیث کو پرکھنے کے لئے اپنے خود ساختہ ترازو اٹھائے پھرتے ہیں انہوں نے کئی ہزار سالہ پرانی تورات پر کس طرح اعتبار کر لیا جس کے تبدیل شدہ ہونے کا فیصلہ قرآن نے یحرفون الکلم کے الفاظ سے دے دیا ہے۔ ہم قرآن سے بات کرتے ہیں اور یہ بائبل کو پیش کرتے ہیں، پھر بھی انہیں دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسائیت کو شکست دی۔ شاید توراتی یہودیوں کی ہم نوائی کا نام ان کے ہاں کسرِ صلیب ہے۔ یاد رکھئے! بل کے ماقبل و مابعد میں تضاد اور مکمل تنافی کا پایا جانا ضروری ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے ام یقولون به جنة بل جاء هم بالحق یا اس

آیت میں ہے و قالو اتخذ الرحمٰن ولداً سبحٰنہ بل عباد مکرمون (اسے بل اضرابیہ ابطالیہ کہا جاتا ہے)

پھر یہ کہ مرزا قادیانی نے ایک مکمل کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' اس موضوع پر لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعہ صلیب کے بعد یہود کے ہاتھوں سے بچ کر ہندوستان آ گئے اور تقریباً ۹۰ سال یہاں گذارنے کے بعد وفات پائی۔

مگر اس آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں رفع (اسے اٹھالیا) کا ماضی چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ رفع کا تحقق عین اسی وقت ہو رہا تھا جب ابھی قتل کی سازش یا کوششیں کی جا رہی تھی۔ رفع کی ماضویت قتل کی بہ نسبت ہے۔ قرآن کہے ''قتل نہیں ہوا بلکہ رفع ہوا'' اور مرزا قادیانی کہیں کہ اس قتل اور رفع میں ۹۰ سال کا فاصلہ ہے تو یہ تمام قادیانیوں کے لئے ٹھہر جانے اور اٹک جانے کا مقام ہے۔ تدبر، انصاف اور دیانت شرط ہے۔

ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ قرآن ہمیشہ یہود و نصاریٰ کے غلط دعووں کی تردید اور صحیح دعووں کی تائید کرتا ہے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے تین دعوے تھے:

(ا) ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے'' جبکہ قرآن نے کہا: ماقتلوہ ''اسے قتل نہ کیا گیا''۔

(ب) ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب دیئے گئے'' جبکہ قرآن نے کہا: ماصلبوہ ''وہ صلیب نہ دیا گیا''۔

(ج) ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے'' مگر یہاں قرآن نے کہا: رفعہ اللہ الیہ ''اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا''۔

اب فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل اور صلیب کے دعووں کی نفی تو دوٹوک الفاظ میں کر دی لیکن ان کے آسمان پر جانے کے عقیدے کی نفی بالکل اسی انداز سے دوٹوک الفاظ میں کیوں نہ کی؟ بلکہ الٹا اپنی طرف اٹھا لینے کا اعلان فرما کر عیسائیوں کے عقیدہ کی تائید کر دی۔ اگر آپ اسے تائید نہیں مانتے تو کم از کم اتنا تو ضرور مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صریح گنجائش عیسائیوں کے عقیدہ کے صحیح ہونے کی چھوڑ دی۔ یہ حُسنِ تردید کے سراسر منافی ہے۔ ایسی اشد ضرورت کے وقت بھی آسمانی رفع کی دوٹوک نفی نہ کرنا بلکہ اپنی طرف اٹھا لینے کا اعلان کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی رفع کی کھلی دلیل ہے۔

۸۔ نبی معصوم ہوتے ہیں جبکہ مرزا قادیانی زعمِ نبوت سے پہلے حیات مسیح علیہ السلام کے قائل تھے۔ (براہین احمدیہ ص ۴۹۸) اور بعد میں اس عقیدے کو خود ہی گمراہی اور گناہ کہنے لگ گئے۔ (ازالۂ اوہام وغیرہ) اس پر جب اہل اسلام نے دوغلے پن کا اعتراض کیا تو یہ توجیہ پیش کر دی کہ مجھے اگر اپنی مسیحیت کے منصوبے کا خیال ہوتا تو میں براہین احمدیہ میں یہ کیوں لکھتا کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے دوبارہ آئے گا۔ (کشتی نوح، ص ۶۸) میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔ تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو۔ وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا، محض رسمی تھا۔ (کشتی نوح ص ۶۹)

اس عبارت میں ''تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو'' کے الفاظ پر غور کیجئے۔ گویا یہ سادگی کے اظہار کے لئے مرزا قادیانی کی منصوبہ بندی تھی۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ مرزا قادیانی عرصہ دراز تک گمراہی میں مبتلا رہے اور بعد میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

۹۔ الہام اگر قرآن وسنت واجماع کے خلاف ہو تو یہ شیطانی الہام ہے۔ (ان الشیٰطین لیوحون۔ الایہ) یہیں سے اکثر متنبّی پھسلے ہیں۔ مثلاً شیطان کسی سے کہہ دیتا ہے کہ تو مسیح ہے پھر اس پر کچھ بے تکے دلائل بھی فراہم کر دیتا ہے۔ یہ دلائل کچھ لوگوں کو اپیل بھی کر جاتے ہیں اور یوں شیطان کا مشن پورا ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ فتوحات مکیہ کے باب ۸۱ میں فرماتے ہیں کہ میرے مرشد کو یہ الہام ہوا تھا کہ تم مسیح ہو لیکن انہوں نے اس الہام کو شریعت کی روشنی میں پرکھ لیا اور شیطان کے فریب سے بچ گئے۔

۱۰۔ مرزا قادیانی بعض ایسی چیزوں کو اپنی نبوت کی دلیل بناتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش فرمائی ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کے یہ ثبوت یکا یک پیش فرما دیئے تھے۔ آپ ﷺ سے پہلے ان باتوں کو نبوت کی دلیل کبھی نہ بنایا گیا تھا۔ اب اگر مرزا قادیانی انہی دلائل کا سہارا لیں تو یقیناً یہ ان کی منصوبہ بندی پر محمول ہوگا۔ مرزا قادیانی نے فصاحت و بلاغت کو اپنی نبوت کی دلیل بنایا اور ایک کتاب اعجاز احمدی، ثبوت کے طور پر لکھ ڈالی۔ مرزا قادیانی سے پہلے بھی نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں بڑے بڑے فنکار اور نکتہ آفریں گزرے ہیں۔ ان کے قلم میں اتنا زور تھا کہ پڑھنے والا انہیں سلطان القلم کہہ دے اور ان کی تحریر میں اتنی فصاحت تھی کہ انہوں نے اپنے کلام کو قرآن کی طرح بطور چیلنج پیش کر دیا تھا۔

ابوطیب متنبّی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے اپنا شاعرانہ دیوان اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کر دیا۔ ابوطیب بعد میں اپنی اس حرکت سے تائب ہو گیا لیکن اس کا یہ دیوان آج بھی مسلمانوں کے درسِ نظامی میں نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اور یہ دیوانِ متنبی کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا قادیانی نے بھی وہی طریقہ چرانے کی کوشش کی ہے۔

جھوٹے دعویداروں نے ہمیشہ قرآن وحدیث سے ہی اپنی نبوت پر استدلال کیا ہے البتہ ان کے طریقہ واردات میں انیس بیس کا فرق ضرور رہا ہے۔

۱۱۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ مرزا قادیانی نے آیت **قد لبثت فیکم عمراً** سے اپنی نبوت پر استدلال کیا ہے حالانکہ یہ آیت ہمارے نبی کریم ﷺ کے حق میں نازل ہوئی تھی اور فرق یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ اعلان نبوت سے پہلے ایک معروف شخصیت تھے اور لوگ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ جبکہ مرزا قادیانی زعم نبوت سے پہلے ایک غیر معروف اور گمنام شخصیت تھے، چنانچہ وہ اپنے الہام کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ ''اس بات کو عرصہ قریباً بیس برس کا گزر چکا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ مجھ کو بجز قادیان کے چند آدمیوں کے کوئی نہیں جانتا تھا، الہام ہوا۔'' (تریاق القلوب، ص ۱۲۸، از مرزا قادیانی)

اور اگر اس آیت سے مرزا قادیانی کی نبوت پر استدلال درست ہے تو پھر **وما علمناہ الشعر و ما ینبغی لہ** (یٰس ۳۶، ۶۹) سے استدلال کرتے ہوئے ہم بھی مرزا قادیانی کو انکی شاعری کی وجہ سے جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

۱۲۔ قادیانیوں کا وطیرہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی کی خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے مرزا قادیانی کی ہر خامی گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی میں ثابت کرنے لگ جاتے ہیں اور مرزا قادیانی نے اگر کسی کو گالیاں بھی دی ہیں تو گالیاں دینے کا جواز قرآن سے پیش کرنے لگتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اس وقت ان لوگوں کی غیرت کہاں چلی جاتی ہے جنہوں نے کہا تھا کہ ''غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسمان پر'' صرف ایک خطا کار شخص کو بچانے کے لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو خطا کار قرار دینا اور قرآن کی آیات کو گالیوں سے تعبیر کر دینا کہاں کی غیرت مندی ہے۔

۱۳۔ ایک فن کی اصطلاح کو دوسرے فن سے جوڑ کر نیا مفہوم پیدا کر لینا ایمان اور دیانت کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ مرزا قادیانی صوفیاء کی اصطلاحات کو شرعی اصطلاحات کے مفہوم میں ڈھال لیتے ہیں اور لغوی معنی کو اصطلاحی معنی میں گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف وحی کا آنا اور شہد کی مکھی کی طرف اللہ تعالیٰ کا وحی فرمانا بیان ہوا ہے۔ یہاں وحی سے مراد نبوت کی وحی نہیں بلکہ الہام مراد ہے۔ یہیں سے صوفیاء کرام علیہم الرضوان نے بھی اپنی خاص اصطلاح میں الہام کے لئے وحی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اب مرزا قادیانی اس طرح کرتے ہیں کہ صوفیاء کی اصطلاح کو شریعت کی اصطلاح کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور صوفیاء کے الہام کو وحی نبوت ظاہر کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

۱۴۔ فنائیت کی بنا پر کیا جانے والا دعویٰ بذاتِ خود دوئی اور عدم فنا پر دلالت کرتا ہے۔ مغائیرت ہی کی وجہ سے دعویٰ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب عملاً اس راستے سے نہیں گذرے۔

۱۵۔ یہ کہنا کہ عیسیٰ بن مریم سے مراد ان کا مثیل ہے۔ دمشق سے مراد قادیان ہے۔ لُد سے مراد لدھیانہ ہے۔ دجال سے مراد فلاں پادری ہے اور دجال کے قتل سے مراد علمی شکست ہے۔ احادیث کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ یہ اتنی باریک تاویلات ہیں کہ ایسی تاویلات کی مدد سے سیاہ کو سفید ثابت کیا جا سکتا ہے پھر اگر اصل احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ان رکیک تاویلات کی متحمل بھی نہیں ہیں۔ تدبر شرط ہے۔

۱۶۔ مرزا قادیانی کے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ وہ سخت فحش گو اور گالی نواز تھے۔ ان کی تہذیب اور شائستگی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ا۔ ہمارے مخالف جنگلوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔ (نجم الہدیٰ صفحہ ۱۵)

ب۔ جو ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اسے ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں۔ (انوار الاسلام، صفحہ ۳۳)

ج۔ لئیم، فاسق، شیطان، لعنتی، پاگلوں کا نطفہ، خبیث، بدکارہ کا بچہ، (حقیقت الوحی، صفحہ ۱۴۔۱۵)

د۔ اپنی کتاب نور الحق میں کسی بے چارے پر باقاعدہ نمبر لگا کر ایک سے لے کر ہزار تک ''لعنت'' لکھی ہے۔ ''لعنتوں'' کا یہ سلسلہ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۲۴ تک جاری رہتا ہے۔ (ملاحظہ ہو نور الحق صفحہ ۱۱۸ تا ۱۲۴ از مرزا قادیانی)

یہاں سے مرزا قادیانی کی نہ صرف فحش گوئی بلکہ دماغی حالت کا بھی اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے

۱۷۔ مرزا قادیانی جہاد کو حرام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال

دین کے لئے حرام ہے اب جنگ و جدال
آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

(درثمین از مرزا قادیانی)

نیز لکھتے ہیں: میری عمر کا اکثر حصہ سلطنتِ انگریزی کی تائید وحمایت میں گزرا ہے اور میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ (تریاق القلوب صفحہ ۲۵، از مرزا قادیانی)

ادھر حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی صاف موجود ہے کہ مشرق سے ایک ایسا گروہ اٹھے گا جو جہاد کا انکار کرے گا، وہ گروہ جہنم کا ایندھن ہے۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۱۰۷۴۲)

بلاشبہ قادیان مدینہ شریف سے سیدھا مشرق میں واقع ہے اور مرزا قادیانی نے جہاد کا انکار بھی صاف صاف کر دیا ہے۔ اس حدیث کی پیش گوئی صادق آجانے کے بعد اب اس کے انکار یا اسے ضعیف کہنے کا کوئی تک باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ خود مرزا قادیانی نے یہ معیار مقرر کیا ہے کہ:

''اگر کوئی ایسی حدیث جو کسی پیش گوئی پر مشتمل ہے مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے اور تمھارے زمانے میں یا اس سے پہلے اس حدیث کی پیش گوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو اور ایسے محدثوں اور راویوں کو مخطی اور کاذب خیال کرو جنہوں نے اس حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہو۔'' (کشتی نوح، صفحہ ۸۴، از مرزا قادیانی)

لہٰذا ہماری پیش کردہ جہالت والی حدیث خواہ صحیح ہو یا ضعیف ہو یا موضوع ہو، بہر حال ان کے لئے حرفِ آخر ہونی چاہیئے۔ انصاف شرط ہے۔

۱۸۔ نزولِ مسیح علیہ السلام کا اجرائے نبوت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں جو ہماری ایمانیات کی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو بلکہ صدہا پیش گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کا حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ جس زمانے تک یہ پیش گوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانے تک اسلام کچھ ناقص نہ تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا۔ (ازالہ اوہام، صفحہ ۶۲)

نیز مرزا قادیانی اسی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں بار بار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیل مسیح بھی آجائیں۔

معلوم ہوا کہ یہ صاحب اپنے ہی قول کے مطابق ایک غیر ضروری شخصیت ہیں اور انہیں نہ ماننے سے کوئی شخص کافر تو کیا گناہگار بھی نہیں ہو سکتا اور انہوں نے اپنی مسیحیت کی مدھانی محض پانی میں ڈال رکھی ہے لہٰذا اگر تفصیلی دلائل کسی کی سمجھ میں نہ بھی آئیں تو احتیاطاً قادیانیت ترک کر دینے میں ہی عافیت ہے۔ و ما علینا الا البلاغ



شہنشاہ بغداد رحمۃ اللہ علیہ کی خوبصورت زندگی

علامہ سید ریاض حسین شاہ

حضرت سیدی وسندی غوث الاعظم قدس سرہ العزیز درویشوں، فقیروں اور طالبین وسالکین کے قدسی قافلوں کی آماجگاہ ہیں۔ان کا نام اوران کا پیغام کاروان انسانیت کے لئے آسودگی اور راحت کا پیغام ہے۔ ربیع الثانی میں برمنگھم انگلینڈ میں ایک مقامی ہوٹل کے وسیع ہال میں پیر سید ارشد حسین گیلانی کی سرپرستی اور قیادت میں غوث الاعظم سیمینار منعقد ہوا جس میں مدیر دلیل راہ نے اپنا مقالہ پڑھا جسے لفظ بہ لفظ قارئین دلیل راہ کی نذر کیا جارہا ہے۔

ارباب علم ودانش!

آج شام کتنی خوبصورت ہے کہ ہم سب انگلینڈ میں بیٹھ کر بغداد کی روشنیاں دیکھ رہے ہیں۔ایک ایسا ملک جس میں خوبصورت لفظوں کی طرح باشہامت معانی بھی برف کے تلے دبے محسوس ہوتے ہیں۔وہاں گوشہ فقر میں اگر کوئی سیدزادہ حیات انسانی کو بامقصد بنانے کے لئے دیئے روشن کرے اور شمعیں جلائے تو وہ قابل تحسین ہے۔

آج کا عنوان سیدی وسندی شیخ عبدالقادر جیلانی الحسنی ہیں۔میں چاہوں گا کہ ان کی نور نور زندگی کے اس گوشہ عظیم کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں جہاں زندگی کا حسن نکھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔آرزوئے صدق پر شباب دکھائی دیتی ہے اور اظہار حق تمام انسانی طبقات کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بجائے معرفت باری کے صراط مستقیم پر گامزن کردیتا ہے۔

شیخ کی زندگی محنت، جدوجہد اور تگ وتاز سے عبارت ہے۔انسان جب محنت سے محروم ہوجائے، پتھروں کی طرح ہوجاتا ہے۔کام، کام اور کام انسان کو عروج کے آسمان پر دولھا بنا کر جلوہ زن کردیتا ہے۔انگلستان کے ایک شاعر ملٹن نے کہا تھا انسان پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ وہ عیش وعشرت سے نفرت کرے اور جفاکشی کی زندگی بسر کرے۔

Man is not born to scorn delight and to live laborious days.

لارڈ ٹینین کہتے ہیں:

ہم یہاں دل بہلانے یا خیالی پلاؤ پکانے اور رواں دواں ہونے کے لئے نہیں آئے بلکہ ہم نے کام کرنا ہے اور بوجھ اٹھانا ہے اس لئے کہ یہ خدا کا عطیہ ہے

We are not here to play, to dream, to drift, we have work to do and load to lift.
Shun not struggle that is God's Gift.

محنت کا مدار اپنا اپنا ہے۔کسی کا منشور زندگی کھاؤ، پیو اور عیش کرو، کہیں شاعرانہ زندگی کے خواب وخیال کرکٹ کھیلتے رہیں۔کہیں عسکری زندگی کی بے جا ہنگامہ خیزیاں، کہیں ہوس اقتدار کی بے چینیاں، کہیں خوشیوں کی کھوکھلی نمائشیں اور کہیں ستاروں اور سیاروں کی طرف بڑھنے کی مہم جوئیاں، جس راہ میں سواروں کی اڑتی گرد دیکھیں زندگی کی سفلہ کاریاں قافلہ انسانیت کو پریشاں کئے ہوئے ہیں۔بغداد یہاں سے تھوڑا دور ہے، لیکن کسی زمانے میں وہاں ایک خوبصورت عبقری بیٹھا تھا۔اوائل زندگی میں جوش وخروش نہیں تھا لیکن جنگلوں اور بیابانوں میں اس کے درس حیات کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔سفر ہی سفر، طلب ہی طلب اور محنت ہی محنت، علم کی راہ میں، صدق کی راہ میں، یقین کی راہ میں اور نور ورحمت کی راہ میں۔وہ ایک شخص تھا یا مہر تابندہ، جس کے وجود میں روشنی ہی روشنی نظر آتی تھی۔محنت اور فضل کے ملگجے میں عبدالقادر جیلانی الحسنی کی آغوش طلب میں فطرت نے کیا ڈالا ذرا غور سے دیکھئے:

ذراعی من فوق السموت کلها
ومن تحت بطن الحوت امدوت راحتی

میرے بازوؤں کی لپیٹ میں سارے آسمان ہیں
اور مچھلیاں جہاں رہتی ہیں گویا تری میں میری ہتھیلی بچھی ہوئی ہے

اتنا ہی نہیں شیخ یہ بھی فرماتے:

واعلم نبت الارض کم هو نبتة
واعلم رمل الارض عدا لبرملة
واعلم علم الله احصی حروفه
اعلم موج البحر عدا الموجة

سیدی وسندی شیخ المعظم کی پرواز پر لوگوں کو اس وقت بڑی حیرانگی ہوتی ہے جب شیخ سفینہ نوح میں موجود ہوتے ہیں، چاہ یوسف کا نظارہ کررہے ہوتے ہیں، ضرب کلیمی کا راز بن جاتے ہیں، بلاؤں میں ایوب کے ساتھی ہوتے ہیں، عیسیٰ جب بولتے عبدالقادر بھی ساتھ موجود ہوتے ہیں، اسماعیل کو ذبح کے لئے گرایا جاتا ہے تو انہیں اپنی جوانی یاد آجاتی ہے۔۔۔۔دنیا آپ کی باتیں جاننے سے جب عاجز، درماندہ اور واماندہ ہوجاتی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

و ما قلت هذا القول فخراً وانما
اتى الاذن حتى تعرفوا من حقيقتى
اور میں نے یہ بات فخر سے نہیں کی ہے، مجھے اذن ملا تا کہ تمہیں
میری حقیقت کا پتہ چل جائے

فکر اور سوچ کے گدھ جب یہ بات بھی نہ جان سکے تو آپ نے اپنا راز منکشف کر دیا اور فرمایا:

انا كنت فى العليا بنور محمد ﷺ
و فى قاب قوسين اجتماع الاحبه
شربت بكاسات الغرام سلافةً
بما انتشعت روحى و جسمى و مهجتى
مقامات عالیہ میں میرا وجود نور محمد ﷺ کی مدد ان کی معیت میں تھا اس
لئے کہ قاب قوسین میں حضور کے احباب بھی تو آپ کے ساتھ تھے
اسی مقام پر میں نے پہلا جام محبت نوش کیا
جس سے میری روح ، جسم اور دل سیر ہو گئے
وشاؤس ملكى ساره شرقاً و مغرباً
نصرت لاهل الكربِ غوثاً و رحمةً
بخت کی پرواز اور نگاہ کی بلندی کہ میرا ملک مشرق اور مغرب ٹھہرا اور
میں اہل کرب کے لئے غوث ٹھہرا لیکن یہ بطفیل رحمت مصطفےٰ ﷺ
تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

(ترجمہ "نصب اور جر" کے فنی استعمال کی بنا پر یوں کیا گیا)

ایک عظیم صوفی کا قول ہے دنیا اور آخرت کی بھلائی پانچ میموں سے ہے۔ میم محبت کی، میم محنت کی، میم محمد ﷺ، میم مواسات کی اور میم مراجعت کی۔

ہم محنت کے بعد دنیائے محبت کی طرف بڑھتے ہیں

محبت کیا چیز؟ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے محبت ایک ایسی حالت کا نام ہے جو بندے کے دل میں پیدا ہوتی ہے، جو الفاظ اور عبادات کے ذریعے بیان نہیں کی جاسکتی، بندے میں جب اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، وہ اللہ کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے، صبر و قرار ختم ہو جاتا ہے، دل پر اللہ کے ملنے کا جذبہ چھا جاتا ہے۔

ابو عبداللہ قرشی فرماتے تھے کہ محبت یہ ہے، کہ محبّ اپنا سب کچھ محبوب کو پیش کر دے۔

حضرت ابو علی رودباری فرماتے تھے:

محبت ہر حال میں محبوب کی موافقت کا نام ہے۔

حضرت شبلی فرماتے تھے محبوب کے سوا دل سے ہر ایک کو مٹا دینا محبت ہے۔

دقاق کا قول ہے محبت محبوب سے خوش رہنے کا نام ہے۔

سیدی وسندی و مولائی عبدالقادر جیلانی الحسنی کے نزدیک محبت روشنی ہے جو محبوب میں گم ہو کر نور بن جاتی ہے جس سے سارا جہاں منور ہو جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

فؤادٌ به شمس المحبة طالعٌ
فليس لنجم العذل فيه مواقعُ

سیدی وسندی کی محبت بگاڑتی نہیں بناتی ہے۔ تخریب کی راہوں پر نہیں ڈالتی تعمیر سے نئے نئے جہاں روشن کرتی ہے۔ اس میں تاؤ اور

WWW.NAFSEISLAM.COM

الاؤ سے بچانے کی صلاحیت موجود رہتی ہے۔

حسین بن منصور حلاج جس کا آگ میں جل جانا شہیر ہے۔ جنید بغدادی نے تو انہیں قبول ہی نہیں کیا البتہ شبلی کہا کرتے تھے

انا والحلاج شئیٌ واحدٌ
فاھلکۂ عقلۂ وخلصنی جنونی

لیکن سیدی وسندی عبدالقادر جیلانی الامام کی محبت منزل نواز ہے آپ نے حلاج کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"عثر الحلاج و لم یکن فی زمانہٖ
من یاخذ بیدہٖ و لو ادرکتۂ لاخذت بیدہٖ"

اور یہ بھی کہ ہمارے ہاں عشق کی کتابیں کھولنے والے علم واخلاق کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں، لیکن بغداد کا شہریار جب محبتوں کی پرخطر وادیوں کا صحرا نورد بنتا ہے تو علم واخلاق کو فراموش نہیں کرتا بلکہ فرماتا ہے:

تبارکت یا ذالقدرۃ الازلیۃ
فمد نیغی بالفضل منک و نعمۃٍ
و ایدتنی بالعلم والحلم والتقی
ووقیتنی من کل شر و فتنہٖ

عبدالقادر جیلانی کا شوق انہیں علم کی راہ ڈالتا ہے اور ان کا علم ان میں حلم اور بردباری پیدا کرتا ہے۔ شوق، علم اور حلم کی قدریں معلم کی تلاش کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ یوں سیدی وسندی ومولائی، معلم کائنات کے در دولت میں حاضری دیتے ہیں اور آپ کے توجہ سے تقویٰ کا تحفہ ملتا ہے اور اس طرح آپ قطب اور غوث ہونے کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ یہاں یہ سچ کھل جاتا ہے کہ مرغی کی طرح آنکھیں موندنے سے قلندر اور غوث نہیں بنا کرتے۔ اس منزل کا اگر کوئی سچا مسافر ہو تو اسے سیدی عبدالقادر جیلانی کے اقوال کو نشان منزل بنانا چاہیئے۔

آپ فرماتے ہیں:

تم اکثر یہ کہتے ہو کہ فلاں کو قریب کر دیا گیا اور میں محروم ہو گیا، فلاں کو غنی بنایا گیا اور مجھے محتاج کر دیا گیا، فلاں شخص عافیت سے نوازا گیا اور میں بیمار ہوں، فلاں بزرگ ہوا اور مجھے حقیر کر دیا گیا، فلاں کی مدح ہوئی اور میری مذمت، فلاں کی تصدیق کی گئی اور میری تکذیب، کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ اپنی ذات اور صفات میں لاشریک ہے وہ ایک ہے اور دوستی میں بھی وحدت پسند کرتا ہے وہ دوست اسی کو بناتا ہے جو دوستی میں یگانہ ہو جب اللہ غیر کے ذریعے اپنے فضل ونعمت سے قریب کرے تو محبت کم ہو جائے گی اور پیار تقسیم ہو جائے گا اللہ غیور ہے وہ محبت میں کسی دوسرے کا شریک ہونا پسند نہیں فرماتا۔ اللہ کا تم پر بڑا احسان رہے گا اگر تم سے اسی کی محبت ظاہر ہو اور تم ظاہر و باطن میں اللہ ہی کے لئے ہو جاؤ اور خیر وشر صرف اسی کی طرف سے دیکھو اللہ محبت کا یہ معنی اپنے فضل ہی سے تم پر ظاہر کرے گا۔

شیخ دنیائے کی محبت میں کبھی خوشبو، کبھی روشنی، آسمان اور کبھی خود درخشندہ بن جاتے ہیں، وہ زمین پر اپنے بسنے والوں میں ہوں تو اپنی نسبت محبت یاد کرتے بھی ہیں اور یاد کرواتے بھی ہیں اور جب ان کی محبت عشق کا رنگ اختیار کر لیتی ہے تو وہ "باز اشہب" بن جاتے ہیں۔

آپ کا اپنا ہی ارشاد ہے:

انا بلبل الافراح املا رَوْحَھا
طرباً و فی العلیا باز اشھبُ

میں سب سے بڑے درخت جس کی شاخوں نے پوری دنیا کو اپنے سائے میں لیا ہوا، کا وہ بلبل ہوں جس کے طرب ناک نغمے فرحت بخش ہیں اور درستی واعلیٰ مقامات کے لئے ہیں باز اشہب ہوں جس کی پرواز کو کوئی پہنچ نہ پائے۔

آپ اپنی صحبت محبت کا حال خود بیان فرماتے ہیں اور آپ کا یہ شعر بغداد کی زیارت کرنے والے آپ کی جامع مسجد کے مغربی دروازے پر لکھا ہوا بھی پائیں گے

انا من رجالٍ لا یخاف جلیسھم
ریب الزمان ولا یری ما یرھب

شیخ نے علوم و معارف کی کوئی ایسی قسم نہیں جس کے صحرا میں قدم نہ رکھا ہو، لیکن وہ بڑے واشگاف انداز میں اپنی کامیابیوں کا راز محبت اور عشق کو قرار دیتے ہیں، یہی وہ بدی سوز حکمت ہے جس کا راز عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا۔

آپ فرماتے ہیں:

قطعت جمیع الحجب للحب صاعداً
و ما زلت ارقی سائراً بمحبتی

ایک مزیدار بات جس کا راز شیخ نے تو کھولا ہے لیکن لوگ عام طور پر بیان نہیں کرتے آپ اپنے مریدوں کو لاخوف کرنے کے لئے فرماتے ہیں:

مریدی، ھم، و طب واشطخ و غنی
فافعل ما تشاء فالاسم عالی

شیخ کے حاسدین آپ کے اس دعوے کو جب مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں تو آپ فوراً فرما دیتے ہیں:

و کل فتیً علیٰ قدم و انی
علی قدم النبی بدر الکمالِ
علیہ صلاۃُ ربی کل وقتٍ
کتعدادِ الرمال مع الجبالِ

فیاضی، سخاوت، عظمت کردار، ندرت فکر، ہمت یگانہ، بلندی پرواز، رفعت نگہ، پاک بازیٔ دل، وثوقِ مواساۃ اور بارانِ عطا، شیخ ہر میدان کے باز اشہب ہیں لیکن خوبصورت زندگی کے جواز آپ نے فتوح الغیب کے ایک مقالہ میں ارشاد فرمائے ہیں بڑے کرم کا مینہ برسایا ہے۔ آپ نے دس خصلتیں لکھی ہیں جو علم و ادب اور سلوک و تصوف کو جواہر پارے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

بندہ کسی صورت میں بھی اللہ کی قسم نہ کھائے سچی، نہ جھوٹی، عمداً نہ سہواً اس لئے کہ ترک حلف سے انوار الٰہیہ کا نزول بند ہو جاتا ہے۔

دوسری خصلت آپ نے رقم فرمائی:

بندہ قصداً یا مذاقاً ہر حالت میں جھوٹ بولنے سے بچے اس لئے کہ جھوٹ سے بچنا شرح صدر کی دولت سے نوازتا ہے اور اس سے علم روشن ہوتا ہے۔

تیسری خصلت آپ لکھتے ہیں:

کسی سے وعدہ کرتے وقت وعدہ خلافی سے ڈرے یا وعدہ نہ کرے اس لئے کہ جو شخص وعدہ خلافی سے بچتا اور ڈرتا ہے اس کے لئے سخاوت اور حیا کے دروازے کھلتے ہیں۔

چوتھی خصلت بیان فرمائی:

مخلوق میں سے کسی پر بھی لعنت نہ کرے اور ذرہ بھر کسی کو ایذیت نہ دے اس خصلت کے پیدا کرنے سے انجام بخیر ہوگا۔ دنیا میں آفات سے اللہ بچائے گا اور اللہ اپنا قرب عطا فرمائے گا۔

پانچویں خصلت ہے:

بندہ مخلوق میں سے کسی کے لئے بد دعا نہ کرے اگرچہ کسی نے اس پر ظلم نہ کیا ہو اور زبان سے بھی کسی سے قطع تعلق نہ کرے اس سے قریب و بعید تمام مخلوق میں اس کی مقبولیت پیدا ہوگی اور وہ مستجاب الدعوات بن جائے گا۔

چھٹی خصلت آپ نے ارشاد فرمائی:

WWW.NAFSEISLAM.COM

اہل قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر، شرک اور منافقت کی گواہی نہ دے یہ درجہ علیا کے حصول کا سبب ہے یہ خصلت اللہ تک رسائی کے لئے بڑا دروازہ کھول دیتی ہے۔

ساتویں خصلت یہ ہے کہ:

بندہ اپنے ظاہر اور باطن کو گناہوں کی طرف میلان سے بچائے اور اپنے اعضاء کو گناہوں سے روکے حصول ثواب میں اس سے زیادہ کوئی چیز کارگر نہیں۔

آٹھویں خصلت آپ نے یہ بیان فرمائی:

کسی آدمی پر کم یا زیادہ بوجھ ڈالنے سے گریز کرے بلکہ اپنا بوجھ تمام مخلوق سے اٹھالے۔ اللہ والوں کی عزت کا کمال یہی ہے اس سے آواز حق اور دعوت صدق میں اثر اور کشش پیدا ہوگی۔ یہ اخلاص تک پہنچنے کا بہترین راستہ ہے۔

آپ فرماتے ہیں نویں خصلت یہ ہے:

لوگوں سے حرص وطمع کو ختم کردے یہ ان لوگوں کی نشانی ہے جو سب سے رشتہ توڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دسویں خصلت تواضع ہے:

یہ چیز عنداللہ اور عندالناس، عزت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ جس سے ملو اس کو خود سے بڑا جانو۔



WWW.NAFSEISLAM.COM



حق کی پہچان

صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

باب اول

مذہب حق اہل سنت و جماعت ہے

افتراق امت کا المیہ:

اسلام کا دعویٰ کرنے والے کئی فرقوں میں منقسم ہیں۔۔۔ ہر ایک اپنے فرقہ کا حق پر بتاتا اور دوسروں پر ملامت کرتا ہے ان میں جنگ و جدال، بحث و نزاع، عناد و عداوت، بغض و حسد کے شرارے ہمیشہ ہمیشہ شعلہ انگیز رہتے ہیں، ان کے تعصب و نفسانیت سے خرمن امن پر بجلیاں گرتی رہتی ہیں، آئے دن فتنہ و فساد انہیں کی بدولت ہوتا ہے، قتل و خونریزی تک نوبت آجاتی ہے، اسلام کو ان سے نہایت سخت نقصان پہنچتا ہے۔

نبی غیب دان کی پیشین گوئی:

حضور انور ﷺ کو ان تمام حالات کا علم تھا اور حضور ﷺ نے اس کی خبریں ارشاد فرمائیں: اجلہ ائمہ حدیث امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ و ابو داؤد وغیرہم نے حضرت عرباض بن ساریہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیرا"

جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث روایت کی جس میں حضور اقدس ﷺ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

"تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملته کلهم فی النار الا ملة واحدة"

میری اُمت تہتر فرقوں میں متفرق ہوگی۔ ان میں بجز ایک کے سب ناری ہیں۔

ان احادیث سے اور ان کے علاوہ کثیر احادیث سے اسلام میں فرقے پیدا ہونے کی خبریں ملتی ہیں اور ان کی فتنہ انگیزیوں اور خونریزیوں کی تفصیلیں بھی، مخبر صادق ﷺ کی خبر کس طرح ممکن ہے کہ درست نہ ہو؟ واقعات برابر ان خبروں کی تصدیق کرتے چلے جارہے ہیں۔

صدر اول میں اتحاد اُمت اور خبر اختلاف پر صحابہ کا تعجب:

اسلام کے عہد اول میں، جہاں اس کے تمام حلقہ بگوش ایک صدائے حق پر لبیک کہنے اور سر تسلیم خم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ ہادی اسلام کے اشاروں پر جانیں قربان اور سر بہ تمنا فدا کرتے چلے جارہے تھے، اس دن مسلمان تعداد میں خواہ کتنے ہی ہوں مگر یک دل تھے، یک زبان تھے، ہر دماغ ایک ہی خیال سے پر تھا، ہر دل میں ایک ہی ولولہ اور ایک ہی جوش تھا۔ سب کا ایک ہی نصب العین تھا اور ایک مقصد کے گرد وہ گھوم رہے تھے۔ عین اس اتم اتحاد کی حالت میں حضور ﷺ نے ان اختلاف کی خبریں دیں، جن کا اس وقت تصور بھی نہ ہوسکتا تھا، بلکہ بعض صحابہ کو تعجب بھی ہوا۔

طالب حق کی حیرانی:

اور اب وہ دن آگیا کہ دعویداران اسلام میں بکثرت فرقے پیدا ہوئے اور انہوں نے جو طوفان برپا کر رکھے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، ایسے وقت میں مسلمان کیا کریں؟ اس شور و غوغا میں ایک طالب حق کس طرف جائے؟ اور کس کی صدا پر لبیک کہے؟ ان کثیر منازعتوں، اختلافات اور مخالفتوں کے ہجوم میں امر حق کو کس علامت سے ممتاز کیا جائے؟ عقل کو تو ضرور ایسے مواقع پر کچھ سراسیمگی اور حیرانی ہوتی ہے۔

تلاش حق:

ایسی حالت میں سردار انبیاء ﷺ کی خبریں اور آئندہ واقعات کی پہلے سے اطلاعیں دینا، طالب حق کی رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ اس ابتلاء و فتنہ کے وقت کا دستور العمل، اسی صادق اور اسی واقف وقائع و حوادث کے کلام مبارکہ سے دریافت کرے جس کی نگاہ اقدس کے سامنے یہ تمام نقشۂ اسلام کے عہد اول میں بھی روشن تھے اور جس نے ان کی تفصیلی خبریں دی ہیں۔ یقیناً آج کی سراسیمگی اور حیرانگی کا علاج، اسی دربار اور اسی سرکار سے میسر آسکتا ہے اور وہیں سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ فرقوں کی ایسی کشاکش میں، جماعت حقہ کو کس علامت سے شناخت کیا جائے؟ کیونکہ ان باخبر ہادی ﷺ کو جب اس اختلاف و افتراق کا علم تھا اور آپ نے امت کو اس سے آگاہ بھی فرمایا، تو ضرور ہے کہ جماعت حقہ کی ایسی کھلی اور ظاہر علامات بھی ارشاد فرمادی ہوں جس سے ہر علم و عقل کا شخص، ہر طالب حق، اس کو بے تردد پہچان سکے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

عرفان حق:

جب ہم احادیث کریمہ پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ مقدس ہادی ﷺ نے ہمیں شب تار میں آوارہ پھرنے کے لئے، بے

کسی کے سپرد نہیں کیا، بلکہ ایک پرنور مشعل کی زبردست روشنی میں ہماری دستگیری فرمائی اور فصیح وصریح عبارات سے بتادیا کہ حق پر کون ہے؟ چنانچہ اوپر ذکر کی ہوئی پہلی حدیث میں بیان اختلاف کے بعد ایک لطیف انداز میں ارشاد فرمایا:

"فعلیکم بسنتی و سنته الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها، و عضوا علیها بالنواجز، و ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثه بدعته، و کل بدعته ضلالته"

جب اُمت میں اختلاف رونما ہو تو تم میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کو لازم جانو، اس کے ساتھ تمسک کرو اور اس پر مضبوط گرفت رکھو، کیونکہ ہر جدید (برا) طریقہ بدعت ہے، اور ہر بدعت سیئہ گمراہی ہے اور اپنے آپ کو نئے (بُرے) کاموں سے بچاؤ۔

مذہب حق اہل سنت وجماعت ہے:

اس حدیث میں یہ صاف ارشاد ہے کہ تم میری سنت اور خلفاء راشدین کے طریقے پر کاربند رہو، تو وہی طریق حق ہوا اور حضور ﷺ کی سنت کے عامل اہل سنت ہوئے۔ کس خوبی کے ساتھ واضح فرمادیا کہ حق مذہب اہل سنت ہے، باقی فرقوں کی نسبت ارشاد ہوا کہ نئے پیدا ہونے والے فرقے بدعتی اور گمراہ ہیں۔ اب طالب حق کو تردد باقی نہیں رہتا، وہ ہر فرقہ کو دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ نیا فرقہ ہے اور اہل سنت کی نسبت بشارت پاکر مطمئن ہو جاتا ہے اور حسب ہدایت مذہب اہل سنت کو لازم سمجھ لیتا ہے، اسی طرح دوسری حدیث میں بھی تہتر فرقوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

"فرقہ حقہ وہ ہے جو میری سنت اور میرے اصحاب کی جماعت کے طریق پر ہو"

اس حدیث نے یہ بھی صاف ظاہر کر دیا کہ طائفہ حقہ اہل سنت وجماعت ہے۔ اسی حدیث کو امام احمد وابوداؤد نے حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"وواحد فی الجنته و هی الجماعته" (۵)

اور ایک گروہ جنتی ہے اور وہ جماعت ہے

اب تو برحق گروہ کا پورا نام اہل سنت وجماعت حدیث نے بتادیا

معیار حق (سواد اعظم کی پیروی):

امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار" (۶)

تم سواد اعظم یعنی بڑی جماعت کی پیروی کرو، جو اس سے جدا ہوا جہنمی ہے۔

اس حدیث میں بھی صاف ارشاد ہے کہ وہ جماعت، جس پر اکثر اہل اسلام ہیں، حق پر ہے۔ اس پر اللہ کا دست رحمت وکرم ہے اور جو "اہل سنت وجماعت" سے جدا ہوا، جہنمی ہے۔

ملا علی قاری کا فرمان:

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا

"السواد الاعظم یعبر به عن الجماعته الکثیرة و المراد ما علیه اکثر المسلمین" (۷)

"سواد اعظم جماعت کثیرہ سے عبارت ہے، اس سے مراد وہ ہے جس پر اہل اسلام ہیں"

اب تو کسی نادان کو بھی تردد نہیں رہ سکتا، ہر عاقل وجاہل کو معلوم ہو گیا کہ مذہب حق وہ ہے جس پر مسلمانوں کی بڑی جماعت ہے اور وہ بحمد اللہ تعالیٰ اہل سنت وجماعت ہیں جو ان سے منحرف ہیں حضور نے ان کو جہنمی فرمایا ہے۔ یہ تمام صحاح ستہ اور کتب معتبرہ اور معتمدہ کی احادیث ہیں۔ اس مضمون کی بکثرت حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ارشاد:

یہ تو ثابت ہو چکا کہ فرقہ ناجیہ حقہ جماعت عامہ اور جمہور اہل اسلام ہیں۔ جس کو "اہل سنت وجماعت" کہتے ہیں اور جن کو حدیث شریف میں کہیں "سواد اعظم" اور کہیں "جماعت عامہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

سواد اعظم در دین اسلام "مذہب اہل سنت وجماعت" ہست

عرف ذالک من انصف بالانصاف و تجنب عن التعصب والاعتساف"

دین اسلام میں سواد اعظم "اہل سنت وجماعت" ہیں، منصف اور تعصب سے اجتناب کرنے والا اسے جانتا ہے۔

نیز حضرت شیخ محقق اسی شرح میں فرماتے ہیں:

وآئمہ فقہائے ارباب مذاہب اربعہ وغیرھم از آنہا کہ در طبقہ ایشان بودہ اند، ہمہ بریں مذہب بودہ اند، و اشاعرہ ماتریدیہ کہ ائمہ اصول کلامند، تائید مذہب سلف نمودہ، وبدلائل عقلیہ آں را اثبات کردہ، وآنچہ سنت رسول اللہ ﷺ واجماع سلف برآں رفتہ بودہ، موکد ساختہ اند، لہذا نام ایشاں "اہل سنت وجماعت" افتادہ (۹)

مذاہب اربعہ کے فقہاء وغیرہم جو صحاح ستہ کے مصنفین ہم عصر تھے۔ تمام اسی مذہب پر ہوئے ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ جو اصول کلام (علم عقائد) امام کے ہیں انہوں نے بھی مذہب سلف کی تائید کی اور دلائل عقلیہ سے اسے ثابت کیا اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع اُمت کو مستحکم کیا۔ اس لئے ان کا نام "اہل سنت وجماعت" واقع ہوا۔

اور حضرت شیخ فرماتے ہیں:

ومشائخ صوفیہ، از متقدمین ومحققین ایشاں، کہ استادان طریقت، وزہاد وعباد ومراتاض ومتورع ومتقی متوجہ بجناب حق، ومتبری از حول وقوت نفس بودہ اند، ہمہ بریں مذہب بودہ اند، چنانکہ از کتب معتمدہ ایشاں معلوم گردد ودر "تعرف" کہ معتمد ترین کتابہائے ایں قوم است، عقائد صوفیہ کہ اجماع دارند برآں، آوردہ کہ ہمہ عقائد "اہل سنت وجماعت" بے زیادت ونقصان" (۱۱)

"اور مشائخ صوفیہ، اولیائے کرام میں سے پہلے محققین جو کہ طریقت کے استاد اور زاہد و عابد، دینی مشقت برداشت کرنے والے اور صاحب ورع اور پرہیز گار اور صرف بارگاہ خداوندی میں متوجہ رہنے والے اور اپنے نفسانی حول وقوت سے علیحدگی اختیار کئے ہوئے تھے، سب اسی "اہل سنت وجماعت" کے مذہب پر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان کی معتمد کتب سے معلوم ہو جاتا ہے اور آئمہ صوفیہ کی معتمد ترین کتب میں سے "تعرف" میں ہے جن پر عقائد صوفیہ "اولیائے کرام" پر کہ ان مقدسین کا اجماع واتفاق ہے۔ فرمایا ہے کہ وہ یہی "عقائد اہل سنت وجماعت" ہیں بغیر کسی کمی بیشی کے۔"

باب دوم

جماعت اہل سنت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کا حکم

دوزخی:

ترمذی میں ایک حدیث شریف ہے جس میں ارشاد فرمایا:

"ید اللہ علی الجماعتہ و من شذ شذ الی النار" (۱)

اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے جو اس سے علیحدہ ہوا وہ جہنمی ہے۔

جماعت اہل سنت سے علیحدہ ہونے والا ہی شیطان کا شکار ہے۔

امام احمد نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی

"ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاۃ القاصیۃ والناحیتہ و ایاکم والشعاب و علیکم بالجماعتہ و العامتہ" (۲)

"شیطان انسان کا بھیڑیا ہے مثل بکری کے بھیڑیئے کے کہ گلہ سے بھاگنے والی اور دور چلی جانے والی اور ایک جانب رہ جانے والی کو پکڑتا ہے۔ تم اپنے آپ کو گھاٹیوں سے بچاؤ اور جماعت وجمہور کو لازم کرلو۔"

اس حدیث شریف میں نہایت بلاغت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ شیطان کی دست وبرد اور اس کے حملہ کا شکار وہ لوگ ہیں جو جماعت و جمہور سے منحرف ہوں اور عام شاہراہ چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی گھاٹیاں اختیار کریں۔

اب تو حق وباطل میں کافی تفرقہ ہو گیا۔ ہر عامی شخص بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ کثیرہ اور جمہور کا کیا مطلب ہے؟ اور کون کون سا فرقہ اس سے

منحرف ہے؟ جو اس سے منحرف ہوا اس کو شیطان کا شکار سمجھے اب اس تردد کا موقع بالکل باقی نہیں رہا کہ ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر بتاتا ہے وہ بتایا کرے، لیکن جمہور اس کے ساتھ نہیں، وہ جمہور کی مخالفت کر کے پیدا ہوا تو ضرور حضور ﷺ کے حسب ارشاد وہ باطل پر ہے۔

یہ کچھ محتاج دلیل و برہان نہیں کہ جماعت عامہ اور جمہور کس طرف ہیں؟ دعویداران اسلام شیعہ، غیر مقلدین، دیوبندی، وہابی اور قادیانی وغیرہم کے تمام فرقوں کا مجموعہ بھی اہل سنت و جماعت کثرہم اللہ تعالیٰ سے بدرجہا کم ہے تو یقیناً وہ سب باطل پر ہیں اور ''اہل سنت و جماعت'' برسرحق اور ناجی، وللہ الحمد۔

جماعت اہل سنت سے نکلنے والے کا شرعی حکم:

امام احمد و ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک حدیث روایت فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

''قال رسول اللہ ﷺ من فارق الجماعته شبرا خلع ربقته الاسلام من عنقه'' (۳)

''جس شخص نے جماعت سے ایک بالشت بھر جدائی کی اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔''

جب یہ متحقق (ثابت) ہو گیا کہ حضور پرنور ﷺ کی تصریحات مذہب ''اہل سنت و جماعت'' کو ''فرقہ ناجیہ'' قرار دیتی ہے تو اب ان لوگوں کا حکم بھی معلوم کرنا چاہیئے جو اہل سنت سے منحرف ہوں۔ اس حدیث میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے اور صاف بتا دیا گیا ہے کہ جو اس ناجی گروہ اہل سنت سے جدا ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا حلقہ نکال ڈالا۔ تو وہ شخص اور وہ گروہ جو مذہب اہل سنت سے متجاوز ہو، اسلام کا باغی اور دین کا مجرم اور سرور عالم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنی گردن سے اسلام کا حلقہ نکال ڈالنے والا ہے۔

ایک بڑی رسی میں بہت سے حلقے بنا کر ہر ایک حلقہ ایک بکری کے گلے میں ڈال دیتے ہیں جس سے وہ تمام بکریاں مجتمع رہتی ہیں۔ اس حلقہ کو عربی زبان میں ''ربقته'' کہتے ہیں اب گلے سے ربقته نکالنے کا مطلب صاف سمجھ میں آ گیا کہ وہ حلقہ جس کے گلے میں ڈالنے سے اسلام کا شیرازہ و اجتماع استوار ہے، اس کو نکال ڈالنے والا اپنے آپ کو اس اجتماع سے جدا کرتا ہے۔

باب سوم

اہل سنت کا دوسرے فرقوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق سخت خطرناک ہے

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ طائفہ ناجیہ حقہ ''اہل سنت و جماعت'' کو دوسرے فرقوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے اور اس کی نسبت حضور اقدس ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم و لا آبائکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (۱)

حضور ﷺ نے فرمایا

''آخر زمانے میں بہت سے جھوٹے فریبی ہوں گے جو تمھارے پاس وہ باتیں لائیں گے کہ تم نے سنی نہ تمھارے آباء نے، تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور ان سے دور رہو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باطل فرقوں کے ساتھ ربط و ضبط، میل جول، ارتباط و اتحاد ممنوع اور باعث فتنہ ہے، ان سے بچنے اور علیحدہ رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال رسول اللہ ﷺ ما من نبی بعثه اللہ فی امته قبلی الا کان له من امته حواریون و اصحاب یاخذون بسنته و یقتدون بامره، ثم انها تخلف من بعده خلوف یقولون ما لا یفعلون، و یفعلون ما لا یومرون فمن جاھدھم بیده فھو مومن، و من جاھدھم بلسانه فھو مومن، و من جاھدھم بقلبه وھو مومن وراء ذالک من الایمان حبته خردل'' (۲)

''حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک نبی جن کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے ان کی اُمت میں مبعوث فرمایا ان کی اُمت میں ان کے مخلصین اور ناصرین ہوتے تھے اور ایسے اصحاب ہوتے تھے جو ان کی سنت کے ساتھ تمسک اور ان کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، پھر ان کے ایسے خلف پیدا ہوتے تھے کہ جن کا قول

وعمل مطابق نہیں ہوتا تھا اور وہ کرتے تھے جس کا امر نہیں کئے جاتے تھے (جیسا کہ تمام باطل فرقے کرتے ہیں) تو جو ان پر اپنے ہاتھ سے جہاد کرے، وہ مومن ہے اور جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو اپنے قلب سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے سوا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں"۔

مراد یہ ہے کہ جو قومیں بگڑ جائیں اور تعلیم انبیاء سے منحرف ہوں اور ان کے خلاف راہ اختیار کریں مومن کا فرض ہے کہ ان کے مفاسد کو ہاتھ سے روکے، زبان سے منع کرے، دل سے برا جانے چہ جائیکہ میل جول، ربط وضبط، اتحاد و وداد۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء (۳)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

"و من یتولھم منکم فانہ منھم" (۴)

"اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے وہ انہیں میں سے ہے۔"

بدمذہب کے ساتھ دوستی جائز نہیں:

ترمذی وابوداؤد میں بروایت ابوسعید مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"لا تصاحب الا مومنا و لا یاکل طعامک الا تقی" (۵)

ہم نشینی نہ کر مگر مومن کامل کے ساتھ اور تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار

احمد، ترمذی، ابوداؤد، وبیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" المرء علی دین خلیلہ، فلینظر احدکم من یخالل" (۶)

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو تمہیں دیکھنا چاہیئے کہ تم کس سے دوستی کرتے ہو؟

یعنی اس کے دین و مذہب میں کوئی خلل ونقصان تو نہیں؟ معلوم ہوا کہ دوست بنانے کے لئے پہلے دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ شخص خدا کا مغضوب اور بدمذہب وبددین نہ ہو اس کے ساتھ تو دوستی جائز نہیں اور مومن کامل الایمان کے ساتھ انس ومحبت وہمدردی وغم خواری، اعانت و امداد ضروری ہے اور اسی سے مسلمانوں کو دوسروں کے مقابل قوت وشوکت حاصل ہوسکتی ہے۔

باب چہارم

اہل سنت وجماعت کے باہمی حقوق

جب یہ معلوم ہو چکا کہ طائفہ حقہ ناجیہ "اہل سنت وجماعت" جو "سواد اعظم" ہے، اس کو باطل فرقوں کے ساتھ ربط واتحاد کی اجازت نہیں، تو اب یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ انہیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک رکھنا چاہیئے؟

اہل سنت کا باہمی مضبوط اتحاد:

بخاری ومسلم میں حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

تری المومنین فی تراحمھم و توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا شتکی عضو تدعی لہ سائر جسدہ بالسھر والحمی" (۱)

"تم مومنین کو دیکھو گے کہ باہمی رحم اور محبت ومہربانی میں ان کا حال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہو تو تمام بدن بے خوابی اور بخار کے ساتھ اس کا فریادی ہو جاتا ہے۔"

یعنی کسی ایک حصہ کی تکلیف سے تمام بدن تکلیف محسوس کرتا ہے اور ہر ایک عضو اس کی بے چینی سے بے چین ہو جاتا ہے، اسی طرح سے مومنین کا حال ہونا چاہیئے کہ وہ ایک کی تکلیف سے بے چین ہو جائیں اور ان میں سے کوئی کسی کے صدمے اور نقصان کو برداشت نہ کر سکے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری حدیث مسلم شریف میں بایں الفاظ مروی ہے، کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا

المسلمون کرجل واحدان اشتکی عینہ اشتکی کلہ و ان راسہ اشتکی کلہ" (۲)

مومن ایک مرد کی طرح ہے کہ اگر اس کی آنکھ دکھے تو تمام بدن دکھ جائے اور اگر سر دکھے تو تمام بدن دکھ جائے۔

بخاری ومسلم میں ایک حدیث حضرت ابوموسیٰ ؓ سے مروی ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"المومن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضاثم شبک بین اصابعه" (۳)

ایک مومن کا دوسرے مومن کے ساتھ وہ علاقہ ہے جیسے ایک عمارت کے اجزا کا کہ ان میں سے ایک جزو دوسرے کو مدد پہنچاتا ہے اور ہر ایک کو دوسے استحکام پہنچتا ہے۔

پھر حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک کی انگشت ہائے مبارکہ کو دوسرے دست اقدس کی انگشت ہائے مبارکہ میں داخل فرما کر مومنین کے باہمی تعاون اور تعاضد کی تمثیل فرمائی۔

محبت ومودت باہمی:

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"والذی نفسی بیده لا یومن عبد حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه"

اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہوتا، جب تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

آنچہ از بہر خویش نہ پسند نیز از بہرے دیگرے پسند

بخاری ومسلم میں حضرت ابوایوب انصاری ؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لا یحل لرجل ان یهجر اخاه فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض هذا و یعرض هذا، و خیر هما الذی یبدء بالسلام" (۵)

"آدمی اپنے بھائی (مسلمان) کو تین روز سے زیادہ چھوڑنا (اور اس سے سلام، میل جول ترک کرنا) حلال نہیں کہ دونوں ملیں تو ایک طرف ایک منہ پھیر لے، دوسری طرف دوسرا منہ پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔"

ان تمام احادیث میں مومن، مسلم، رجل، اخ سے مراد وہی مومن کامل ہے جو کسی باطل عقیدے یا مذہب کا گرفتار ہو کر طائفہ ناجیہ سے خارج نہیں ہوگیا، کیونکہ ان کے ساتھ محبت ومودت کے تعلقات جائز ہی نہیں۔

اہل سنت کا اتحاد ایک ناگزیر ضرورت:

تمام عالم اسلام اور کل سواد اعظم اہل سنت ایک دل، ایک زبان ہوں اور ہر ایک کا دل دوسرے کی محبت سے بھرا ہوا ہر ایک دوسرے کی بہبود اور راحت سے مسرور اور اس کے رنج وکلفت سے مخزون وبے چین ہو، دوسرے کے درد وتکلیف کو اپنے صدمہ کی طرح محسوس کرے، اغیار سے بے تعلق رہے تو اسلام کی شوکت ظاہر ہو، چند بد مذہبوں کو چھوڑ دینے سے مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع اور وقت میں کوئی فرق نہیں آسکتا، بلکہ ان سے میل جول ہی ہزار ہا فتنوں اور مصیبتوں کا دروازہ کھولتا ہے، یہی دین کی تعلیم، اور یہی حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

ایسے ذرائع پیدا کئے جائیں کہ مسلمانوں کے خیال آپس میں موافق ہوں اور ان کے دماغ ایک ہی طرح کی معلومات سے پر ہوں، اگر ایک مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں اور ان کے مابین بہت بڑا بعد مکان ہے تو حرج نہیں مگر بعد خیال نہ ہونا چاہیئے۔

ضروری بے حد ضروری:

ضروری ہے کہ مسلمان بد مذہبوں کی تمام تحریروں کے دیکھنے سے اجتناب کریں اور اپنی معلومات وسیع کرنے اور سواد اعظم میں ایک ربط وتعلق حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لئے اہل سنت کی کتابوں، رسالوں، اخباروں کا مطالعہ ضروری سمجھیں کہ جتنے مسلمان اس ایک رسالہ کے دیکھنے والے ہوں گے وہ سب عقیدے اور خیال میں متحد ومتفق ہوں گے اور ہر موقع پر ان میں سے ایک کی آواز دوسرے کے موافق اٹھے گی اور اس کو مدد پہنچائے گی۔

ماخذ ومراجع وحواشی

الباب الاول

۱۔ المسند للامام احمد حدیث العرباض بن ساریه رضی الله عنه (۱۲۶/۴) طبع المکتب الاسلامی للطباعته والنشر، بیروت و "السنن للترمذی" ابواب العلم، باب الاخذ بالسنته والاجتناب عن البدعته (۹۶/۲) طبع جدید سعید ایچ. ایم. کمپنی، کراچی

و السنن لابن ماجه ، باب اتباع سنته الخلفاء الراشدين (۱/۵) طبع ادارہ احیاء السنته النبویه، سرگودھا
و السنن لابی داؤد ، کتاب السنته باب فی لزوم السنته (۲/۶۳۵) طبع
(۲) السنن للترمذی ابواب الایمان، باب افتراق هذه الامته (۲/۹۳) طبع جدید ، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی.
۳. السنن لابی داؤد کتاب السنته ، باب لزوم السنته (۲/۶۳۵) طبع اصح المطابع، کراچی
و "السنن لابن ماجه، باب اتباع سنته الخلفاء الراشدین" (۱/۵)طبع ادارة احیاء السنته النبویه سرگودھا
۴. السنن للترمذی ابواب الایمان، باب افترق هذه الامته " (۲/ ۹۳) طبع ، سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی
۵. المسند للامام احمد، حدیث معاویه بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما" (۴/۱۰۳)طبع المکتب الاسلامی للطباعته والنشر ، بیروت۔
والسنن لابی داؤد کتاب السنته ، باب شرح السنته " (۲/ ۶۳۱) طبع اصح المطابع، کراچی، واللفظ لابی داؤد.
۶. مشکوة المصابیح للخطیب التبریزی، کتاب الایمان، باب الاعتصا بالکتاب والسنته، الفصل الثانی" (۱/ ۳۰) طبع مجتبائی، مدهلی
صاحب مشکوۃ نے اس سے پہلی حدیث کو اعن ابن عمر کے الفاظ سے شروع کیا، آخر میں کہا "رواہ الترمذی" اس کے بعد حدیث زیر نظر کو" و عنه" سے شروع کیا، جبکہ اس کے آخر میں رواہ ابن ماجہ من حدیث انس رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہے، جس سے حضرت مؤلف کا خیال اس طرف گیا کہ یہ حدیث بھی دراصل امام ترمذی کی روایت ہی سے ہوگی، حالانکہ بقیہ الفاظ اس حدیث کا وجود پوری سنن ترمذی میں کہیں بھی نہیں پایا جاتا، دراصل بات یہ ہے کہ صاحب مشکوۃ نے حدیث زیر بحث کو بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا اور اس کے آخر میں "رواہ" لکھ کر آگے بیاض چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ بعد میں علامہ میرک شاہ نے یہ عبارت لاحق کی "ابن ماجه من حدیث انس رضی الله عنه" دیکھو! مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح للعلامة القاری المقام المذکور (۱/۲۵۰)طبع المکتبہ الامدادیہ ملتان اور سنن ابن ماجہ میں حدیث بروایت انس رضی اللہ عنہ موجود ہیں، دیکھئے ابواب الفتن ، باب السواد الاعظم (۲/۲۹۱،۲۹۲)طبع ادارۃ احیاء السنتہ النبویہ سرگودھا لیکن اس کے الفاظ بجائے "اتبعو السواد الاعظم " کے "علیکم بالسواد الاعظم" ہیں۔ بندہ نے مزید تلاش کیا تو حدیث زیر گفتگو اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما درج ذیل دو مقامات پر مل گئی فللہ الحمد. ۱. نوادرات الاصول فی معرفته احادیث الرسول للحکیم الترمذی، الاصل الثامن والثمانون فی ان اجماع الامته حجته (ص۱۲۸)طبع دار صادر بیروت،۲" المستدرک علی الصحیحین للحاکم ، کتاب العلم، باب لا یجمع الله هذه الامته علی الضلالة ابدا و باب من شذ شذ فی النار ، بثلاثه اسانید (۱/۱۱۵،۱۱۶)طبع دار الکتاب العربی، بیروت ۔۱۲ محمد اشرف القادری عفا عنہ ربہ القوی الحی۔
۷۔ "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للقاری" کتاب الایمان، باب الاعتصام، الفصل الثانی (۱/ ۲۴۹)طبع المکتبہ الامدادیہ، ملتان۔
۸۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، للشیخ عبدالحق الدہلوی، کتاب الایمان، باب الاعتصام، الفصل الثانی، (۱/ ۷۶)طبع قدیم سنہ ۱۲۸۴، مصطفائی کلکتہ، ۹، ایضاً
۱۰۔ ایضاً
یہ (۴) کی عبارت بندہ نے اضافہ کی ہے۔۱۲ محمد اشرف القادری۔

الباب الثانی:
۱۔ "الجامع السنن للترمذی، ابواب الفتن، باب فی لزوم الجماعته" (۲/۳۹)طبع جدید سعید۔ایچ۔ایم کمپنی، کراچی
۲۔ "المسند" للامام احمد، حدیث معاذ بن جبل (۵/۲۳۳،۲۴۳)طبع المکتب الاسلامی، دار صادر بیروت۔
۳۔ "المسند للامام احمد، حدیث زید بن ثابت، بثلثة اسانید" (۵/۱۸۰)طبع المکتب الاسلامی دار صادر، بیروت۔
و "السنن لابی داؤد کتاب السنته ، باب فی قتل الخوارج" (۲/۶۵۵)طبع اصح المطابع کراچی۔

الباب الثالث

۱. الصحیح المسلم المقدمته (۱/ ۱۰) طبع اصح المطابع ، کراچی
۲. "الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان" الخ (۱/ ۵۲) طبع اصح المطابع، کراچی
۳. القرآن (الممتحنه ۶۰/ ۱)
۴. القرآن (المائده ۵/ ۵۱)
۵. "الجامع السنن الترمذی، ابواب الزهد، باب ما جاء فی صحبته المومن" (۲. ۶۵) طبع جدید ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی
والسنن لابی داؤد کتاب الادب، باب من یومر ان یجالس (۲/ ۶۶۴) طبع اصح المطابع، کراچی
۶. "المسند" للامام احمد، مسند ابی هریرة (۲/۳۰۳،۳۳۴) المکتب الاسلامی، دار صادر بیروت
الجامع السنن للترمذی، ابواب الزهد، الباب الرابع بعد باب ما جاء فی اخذ المال (۲/ ۶۳) طبع جدید ایچ. ایم سعید کمپنی، کراچی
"السنن لابی داؤد ، کتاب الادب، باب من یومر ان یجالس (۲/ ۶۶۳) طبع اصح المطابع ، کراچی و فیه لفظ "الرجل" مکان المرء" ۱۲ محمد اشرف القادری
" الجامع لشعب الایمان "للبیهقی باب... (۱) طبع بیروت

الباب الرابع

۱. الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب الساعی علی المسکین (۸۸۹/۲) طبع اصح المطابع ، کراچی
واصحیح لسملم، کتاب البر، باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم (۳۲۱/۲) طبع اصح المطابع ، کراچی
۲. اصحیح لسملم، کتاب البر، باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم (۳۲۱/۲) طبع اصح المطابع ، کراچی
۳. الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب تعاون المومنین بعضهم بعضا (۸۹۰/۲) طبع اصح المطابع ، کراچی
واصحیح لسملم، کتاب البر، باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم (۳۲۱/۲) طبع اصح المطابع ، کراچی
۴. الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان الخ. (۵۰/۱) طبع اصح المطابع، کراچی
۵. الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب الهجره (۸۹۷/۲) طبع اصح المطابع کراچی
الصحیح لمسلم کتاب البر باب تحریم الهجر فوق ثلاثته ایام (۳۱۶/۲) طبع اصح المطابع و لفظ لمسلم مکان "للرجل" ۱۲ محمد اشرف القادری

✿✿✿

داتا گنج بخشؒ اقبالؒ اور کانچ کی صراحی

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

حکایت دلنشین ہے اور راوی معتبر ایک سروقد نوجوان مشکلات سے گھبرایا ہوا ایک پیر دانا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے اے آسمان مرتبت! میں چاروں طرف دشمنوں میں گھر گیا ہوں میری مثال شیشے کی اس صراحی کی طرح ہے جسے عین پتھروں کے درمیان میں رکھ دیا گیا ہو۔ براہ کرم مجھے درمیان دشمناں زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھا دیجئے۔ وہ پیکر جمال وجلال بزرگ گویا ہوئے۔ محبت اور معرفت کا ایک گلستان مہکنے لگ گیا۔ انہوں نے فرمایا اے نوجوان تو زندگی کے راز سے بے خبر اور اس کے انجام وآغاز سے غافل ہے۔ تو دشمنوں کا خوف اپنے دل سے نکال دے تیرے اندر ایک قوت خوابیدہ موجود ہے اسے بیدار کر۔ جب پتھر اپنے آپ کو شیشہ سمجھنے لگتا ہے تو وہ شیشہ ہی بن جاتا ہے اور شیشے کی طرح ٹوٹنے لگتا ہے جب مسافر خود اپنے آپ کو کمزور سمجھنے لگتا ہے تو پھر اپنی جان کی نقدی بھی راہزن کے سپرد کر دیتا ہے۔

تو کب تک اپنے آپ کو پانی اور مٹی کا پتلا سمجھتا رہے گا تجھے چاہئے کہ اپنے اندر سے شعلہ طور پیدا کرے۔ اپنے عزیزوں سے ناراضگی کیوں اور اپنے دشمنوں کی شکایت کیا؟ میری سچی بات کو پلے باندھ لے دشمن بھی تیرا دوست ہوتا ہے اسی کی وجہ سے تیری زندگی کے بازار میں رونق ہے۔

واقف درجات خودی کیلئے تو اناد شمن تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ دشمن تو انسان کی کھیتی کیلئے بارش کی مثل ہے کیونکہ دشمن کا ادراک اور احساس انسان کے اندر کے خفیہ امکانات کو زندہ کر دیتا ہے۔ قارئین!

آیئے سوچیں کیا ہماری مثال اس کانچ کی صراحی کی طرح تو نہیں جو چاروں طرف سے پتھروں میں گھری ہو کیا ہم اس پریشان اور خوف زدہ سہمے ہوئے مسافر کی طرح تو نہیں جو راہزن کے ایک اشارے پر ہی مال تو مال جان تک پیش کئے دیتا ہے کیا ممالک اسلامیہ کی مثال لٹے قافلے کے درماندہ مسافروں کی طرح نہیں جو نقد جان لٹوانے کیلئے اپنی اپنی باری کے انتظار میں گردنیں جھکائے بیٹھے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو پھر ضرورت ہے کہ پوری ملت کو وہی سبق ازبر کرایا جائے جو اس پیر دانا نے نوجوان کو دیا تھا۔

ملت کے ہر نوجوان کو خود شکستگی اور خود فریبی سے نکال کر خود گری وخود نگری اور خدا آگاہی کی منزلوں کا راہی بنایا جائے شیشہ گری کی بجائے خارا شگافی کے طریقے سکھائے جائیں۔ اسے کتاب خواں کی بجائے صاحب کتاب بنایا جائے۔ تن پرستی کی بجائے من کی دنیا میں ڈوب کر سراغ زندگی پانے کی ترغیب دی جائے۔ دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا شکوہ کرنے کی بجائے مجلس دوستاں آباد کرنے کی تڑپ پیدا کی جائے۔ مخلوق کے خوف کی بجائے خالق کا شوق عطا کیا جائے اس حکایت کے راوی حضرت اقبال سے اس صاحب بصیرت پیر دانا کا پتہ پوچھیں تو وہ تعارف کرواتے ہیں۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد اُو پیر سنجر را حرم
بندھائے کوہسار آساں گسیخت
در زمینِ ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق زحرف اُو بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک ہو اب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

سید علی ہجویری قوموں کے مخدوم جن کی قبر بھی خواجہ معین الدین چشتی پیر سنجر کے لئے حرم کی مانند ہے۔ کیونکہ انہوں نے وہاں چلہ کش ہو کر راز حیات اور گوہر مقصود پایا تو بے ساختہ کہہ اٹھے تھے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

سید علی ہجویری جو پہاڑوں جیسی رکاوٹوں کو آسانی سے توڑتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے اور انہوں نے یہاں کی سرزمین میں سجدے کا بیج بویا۔ ان کی روحانی فکر سے یہاں اسلام پھیلا اور فاروق اعظم کا عہد تازہ ہو گیا۔ ان کی دعوت وتبلیغ سے دین حق کو سربلندی حاصل ہوئی۔ آپ ناموس قرآن کے محافظ ونگہبان تھے آپ کی ایک نگاہ قاہرانہ نے باطل کو برباد کر دیا۔ سرزمین پنجاب ان کے دم قدم سے زندہ ہوئی اور ہماری صبح انہی کے آفتاب سے روشنی پا کر منور ہو گئی۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ساڑھے نو سو سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا ہے مگر اس مردِ حق آگاہ نے ایمان و ایقان، علم و عمل اور عزم و ہمت کے جو چراغ روشن کئے تھے ان کی لو مدھم نہیں ہوئی۔

لاہور کا داتا دربار ہر روز کی طرح آج بھی مرجع خلائق ہے جہاں بادشاہ و گدا، رند و پارسا، امیر و غریب، علماء و صوفیاء حاضر ہوتے ہیں اور اپنے خالق و مالک سے پانے اور مخلوق میں لٹانے والے کی گنج بخشوں کا نظارہ کرتے ہیں۔ جن کے تذکرہ نگاروں میں ہیں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ محمد پارسا، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، حضرت عبدالرحمان جامی، حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ اور شہزادہ دارا شکوہ جیسے عظیم لوگ شامل ہوں اور جن کے در پر خواجہ اجمیری، بابا فرید گنج شکر، حضرت شاہ ابوالمعالی، اور حضرت شاہ محمد غوث، جیسے اولیاء اور سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی، سلطان محمد غوری، سلطان شمس الدین التمش، بلبن اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، عالمگیر اور دارا شکوہ جیسے بادشاہوں نے حاضری بھری ہو اس کی عظمتوں کا بھلا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

آپ کی پیدائش 400ھ اور وفات 481 تا 500ھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ افغانستان کے شہر غزنی کے محلہ ہجویر اور جلاب کی نسبت سے ہجویری، الجلابی کہلائے اور پھر لاہور میں وجودِ مسعود کی وجہ سے لاہوری مشہور ہو گئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے سیدنا امام حسن تک پہنچتا ہے اور روحانی سلسلہ دس واسطوں سے سید الاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے سینکڑوں علماء سے اکتساب فیض کیا۔ اپنے عہد کے تمام بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور ہر دانش گاہ علمی سے سیراب ہوئے۔ چالیس سال سفر میں رہے مگر ایک بھی نماز اور جمعہ کبھی قضا نہ ہوئی۔ جب لاہور میں تشریف فرما ہوئے تو مسجد مدرسہ اور خانقاہ بنا کر دعوت دین اور تزکیہ نفس کی زوردار تحریک اٹھائی آپ کے وجود مسعود کی برکت سے اس خطے میں ایمان کی بہار آئی اور مقبول حضرت مجدد الف ثانیؒ شہر لاہور ''قطب البلاد'' شہروں کا قطب کہلایا آپ کے محامد و محاسن، فضائل و کمالات بے شمار ہیں رب تعالیٰ کی محبت اور اپنے سچے نبی کریم ﷺ کے عشق کی بدولت خالق کی بارگاہ میں انہیں وہ قبولیت و محبوبیت عطا ہوئی کہ ایک عہد کو نہیں ان کے بعد آنے والے سب زمانوں کو ان کا مشتاق بنا دیا۔

ان کی توحید پرستی، رسول پیوستگی، فقر و درویشی، عجز و انکساری محبت و شفقت اور بندہ پروری و کرم گستری بھی دامن دل کھینچتی ہے۔ لیکن ان کے بصیرت افروز، حقائق کشا اور معرفت خیز قلم سے نکلی ہوئی کتاب ''کشف المحجوب'' ان کی زندہ جاوید کرامت ہے جس کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے فرمایا کہ اگر کسی کا پیر نہ ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے اسے پیر مل جائے گا۔ کشف المحجوب کے 38 باب ہیں اور پہلا باب ہی علم اور تحصیل علم کی فضیلت پر ہے۔ کم و بیش 27 کتابوں کے بمعہ ان کے مصنفین کے ناموں کے حوالے دیئے۔ پوری کتاب میں 236 آیات قرآنی، 134 احادیث اور 300 سے زائد مشائخ کرام کے اقوال اور اشعار نقل کئے۔ اپنے سے پہلے اور اپنے زمانے کے اہل علم کا تذکرہ کیا۔

خوبی کی بات یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اہل بیت اطہار، صحابہ کبار اور اولیاء عظام کے تذکار نور ہیں۔ معجزات و کرامات بیان کرنے کی بجائے ان کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں۔ اپنے ہم عصر علماء و صوفیاء کی عظمتوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں اپنی ہر بات کی تائید میں پہلے قرآن پھر حدیث اور پھر اقوال بزرگان دین پیش کرتے ہیں۔

قارئین! اگر آپ صحیح اسلام کا تعارف چاہتے ہیں تو زندگی میں ایک بار داتا گنج بخش کی تصنیف کشف المحجوب کا ضرور مطالعہ کریں۔ ممکن ہے اس نسیم بہاری کا کوئی جھونکا آپ کے دل کی کلی کے کھلنے کا سبب بن سکے۔

شاید کوئی لمحہ آپ کی زندگی کیلئے انقلاب کی نوید بن جائے داتا گنج بخش اور ان کی کتاب سے متعلق اپنی بات سمیٹے ہوئے زیادتی اور ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے عہد کے عظیم محقق اور عالم سید متین ہاشمی مرحوم کی معرکتہ الآرا تصنیف ''سید ہجویر'' سے اقتباس پیش نہ کروں۔ انہوں نے بجا طور پر لکھا کہ

> ''کشف المحجوب جس طرح اپنے قاری کو گرفت میں لے لیتی ہے، کوئی کتاب اس انداز میں اپنی گرفت میں نہیں لیتی۔ کشف المحجوب پڑھیے تو ایسا لگتا ہے کہ ایک رفیق سفر، ایک ہمدم و دمساز، ایک شفیق چارہ گر، ایک ناصح مشفق اور ایک ایسا معالج ہم کلام ہے جس کا ہاتھ نفس انسانی کی نبض پر رکھا ہے۔ اس نباض سے آپ اپنے باطن کی کوئی برائی چھپا نہیں سکتے۔ وہ حجابات اٹھاتا چلا جا رہا ہے۔ مگر کسی لمحہ ناامید نہیں ہونے دیتا ساتھ ساتھ ہمت بھی بندھاتا جا رہا ہے۔ راہ دشوار ضرور ہے مگر یہ راہ خلوص کی ایک زقند میں طے ہو سکتی ہے۔ آؤ میرا ہاتھ پکڑو اور میری ہدایات پر عمل کرتے جاؤ تمہیں منزل تک پہنچا دوں گا۔''





اگلا صفحہ بعد میں پڑھنا

حافظ شیخ محمد قاسم

پشاور میں یارسول اللہ کانفرنس ہوئی۔ شاہ جی نے تیس منٹ تقریباً خطاب فرمایا۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ شاہ جی جہاں شعلہ نوا خطیب ہیں وہاں شبنم کی طرح دھیرے دھیرے برسنا بھی ان کو آتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر ''لفظوں کے'' محتاط استعمال میں مفاہیم اور گہرے افکار کی ادائیگی کا مزا پہلی بار محسوس ہوا البتہ یہ سمجھ نہ آئی کہ دلوں میں رقت پیدا کرنے کے لئے شاہ جی کے پاس کیا نسخہ ہے۔ عام سی باتیں عام سے انداز میں بھی شاہ جی ادا کریں تو بھی سامعین مزے لے لے کر آپ کی باتیں سنتے ہیں۔ محترم عبدالوحید ربانی کی ''معتاد خطابت'' اور لفظوں کی آتش بازی کے بعد شاہ جی کا خطاب بظاہر مشکل سا لگ رہا تھا کہ ماحول شعور اور شعار تک جا پہنچے۔ شاہ جی کی خطابت پر شام کے معروف عالم اور جلیل القدر مفتی سید محمد عبدالہادی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ پاکستان کے دورے میں ایک موقع پر جب ان سے آخر میں تقریر کرنے کے لئے کہا گیا تو مفتی عبدالہادی نے شاہ جی سے پہلے تقریر پر اصرار کیا اور دوران خطابت فرمایا'' مجھے اردو سمجھ تو نہیں آتی لیکن سامعین کے چہروں اور شاہ جی کی اداؤں سے لگتا ہے کہ سید صاحب لوگوں کو زمین سے اٹھا کر آسمان نشین کر دیتے ہیں اور پھر خود آسمانوں کی ساتویں سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطاب فرماتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ان کے سننے والے اپنے آپ کو عرش پر محسوس کرنے لگ جاتے ہیں، شاہ جی سے متاثر ہو کر مفتی اعظم شام نے ہمارے شاہ جی سے حدیث شریف کی اعزازی سند حاصل کی۔ ان لطیف لمحوں کی ملکوتی یادوں کو الفاظ میں ادا کرنا از بس دشوار ہے جب مفتی اعظم شام بخاری شریف کی پہلی حدیث قبلہ شاہ جی کو سنا رہے تھے۔

یہ بات تقریباً 12 سال پہلے کی ہے کہ ہم پشاور کی سنی کانفرنس سے فارغ ہوئے تو شاہ جی نے ایک مقامی کتب خانہ سے کچھ کتابیں لینی تھیں، لیس اور مجھے حکم دیا کہ کوہاٹ کی طرف گاڑی بڑھاؤ۔ عرض کی شاہ جی ہمیں تو اسلام آباد پہنچنا ہے۔ آپ فرمانے لگے میں کہہ جو رہا ہوں کہ کوہاٹ کی طرف گاڑی موڑو۔ گاڑی کا رخ درہ کے راستے سے کوہاٹ کی طرف پھیر دیا، لیکن تذبذب، پریشانی اور اضطراب کے عالم میں عرض کی: راستہ خطرناک ہے اور رات پڑ گئی ہے اور ہمارا کوہاٹ میں کام بھی کوئی نہیں۔ اب شاہ جی نے مجھے قدرے غصے سے دیکھا اور فرمایا:

''لا تحزن ان اللہ معنا''

گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے

اور گاڑی تیز چلانے کا حکم دیا۔ پندرہ بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد سڑک کی دونوں جانب سے ہوائی فائرنگ کا ایک سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ٹریفک کم تھی اور اکا دکا اگر کوئی گاڑی نظر بھی آتی تو کم از کم میں سہم جاتا تھا کہ اب کوئی پستول تانے ہماری گاڑی روک لے گا ذہن کے پس منظر میں ڈراؤنی تصویریں اجاگر ہو رہی تھیں اور میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد شاہ جی کے چہرے کی زیارت کر لیتا تھا اور شاہ جی خود انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ درود شریف کی منزل پڑھ رہے تھے۔ ہر دو چار میل کے بعد البتہ یہ ضرور پوچھ لیتے قاسم کوئی پرابلم تو نہیں۔ کچھ وقت گزرا تو میں نے نعت شریف سننے کے لئے ٹیپ آن کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا اگر نعت شریف خود پڑھ سکتے ہو تو پڑھو۔

ذوق نعت نے گاڑی کے ماحول میں مدنی نسبت کی رحمتیں اور انوار پھیلا دیئے اور شاہ جی نے اپنا چہرہ میری طرف پھیر دیا۔ کوہاٹ سے کچھ پہلے عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے شاہ جی نے گاڑی رکوائی اور خود مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور میں گاڑی کے اندر ہی بیٹھ کر چوکی کرنے لگا کہ کوئی شرارتی مزاج شخص گاڑی کے ٹائر سے ہوا نہ نکال دے۔ ایک نئی آزمائش نے گھیرا کہ چند پٹھان بچے پشتو میں کچھ کہتے ہوئے گاڑی کے بونٹ پر زور زور سے مکے مارنے لگ گئے۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ گاڑی کا دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں، شاہ جی واپس تشریف لائے اور بچوں کو پیار کے انداز میں کچھ کہا اور گاڑی میں تشریف فرما ہو گئے اور پھر مجھے فرمانے لگے ''ان بچوں کو ذرا میری طرف بلاؤ۔'' وہ قریب آئے تو شاہ جی نے چھ یا سات بچوں کو کھانے کے لئے کیلے عطا فرمائے اور پھر دس دس روپے فی بچہ تقسیم کئے اور کہا میں نے دور تک سفر کرنا ہے میری تھکاوٹ اتارنے کے لئے چند نعرے میرے ساتھ مل کر لگائیں۔ اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد، نعرہ تکبیر اللہ اکبر، نعرہ رسالت یارسول اللہ۔ نعروں کی برسات میں مجھے بھی نماز ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ شاہ جی عشاء کی دبیز تاریکی میں جب اس پٹھان بستی سے رخصت ہوئے اور بچے اسلام زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے اور شاہ جی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آپ خود بھی بار بار فرما رہے تھے:

اسلام زندہ باد اسلام زندہ باد

نعرہ تکبیر اللہ اکبر

اور نعرہ رسالت یارسول اللہ

پرسکوت ماحول میں پرنم آنکھوں نے جو نظارہ وہاں دیکھا تھا بھولتا نہیں، سوچنے لگا کہ شاید شاہ جی نے سفر اسی لئے کیا کہ چند معصوم بچوں کے دل کی تختیوں پر یارسول اللہ اور اسلام زندہ باد کندہ کر دیں ایسے نقوش جو کبھی نہ مٹیں اور ایسے جلوے جو کبھی گم نہ ہوں۔

رات گیارہ بجے کوہاٹ سے جنڈ کے راستے اسلام آباد روانہ ہوئے۔ پنجاب داخل ہونے کے بعد راز کھلنے لگا اور سفر کی حکمت سمجھ آئی۔ شاہ جی نے کہا یہاں سڑک کی بائیں جانب قاسم ذرا دیکھنا ایک ٹرک ہوٹل ہوگا نام اس کا ہے ''لالے دا ٹہارا'' درختوں کی شاخوں سے بنائے ہوئے اس ٹہارے میں ہم بیٹھے اور چائے پی اور شاہ جی نے ہوٹل کے مالک ''کشکول خان'' سے کہا تمہاری ایک امانت میرے پاس رہ گئی تھی آپ نے بریف کیس سے کانچ کا پرانا سا گلاس نکالا اور خان کو تھما دیا اور فرمایا دو سال پہلے میں نے اس سڑک پر سفر کیا تھا اور تمہارا گلاس میری گاڑی میں رہ گیا تھا، مجھے سنبھالنے اور محفوظ رکھنے میں بڑی دقت ہوئی، تاخیر سے میں اس لئے آیا کہ چوراشریف کے ایک نیاز مند کو بھیجتا رہا لیکن تم اسے ملے نہیں۔ الحمدللہ آج یہ امانت ادا ہوگئی۔

کشکول خان نے شاہ جی کا پتہ لیا اور آپ کو الوداع کر دیا اب راستہ پرامن تھا اور شاہ جی بھی تھکان محسوس فرما رہے تھے۔ آپ کی آنکھ لگ گئی اور فتح جنگ پہنچ کر آپ نے دوبارہ چائے پینا چاہی، فیصلہ ہوا کہ شاہ جی کے ایک پرانے سنگی نیاز کو اٹھایا جائے۔ معلوم ہوا نیاز بھائی کینیڈا جا چکے ہیں، گاڑی گلی سے نکالی اور سڑک پر چڑھا دی اور ساتھ ہی پوچھا گلاس دینے کے لئے تو دن کا انتخاب بھی کیا جا سکتا تھا اور کوئی اور شخص بھی یہ کام کر سکتا تھا۔ آپ فرمانے لگے کتاب کا اگلا صفحہ بعد میں پڑھنا اس وقت صرف اتنی بات سن لو!

> عبداللہ بن مبارک مرو میں رہتے تھے ایک مرتبہ آپ مرو سے شام گئے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب راستے اچھے نہ تھے، ڈکیتیاں اور چوریاں کثرت سے ہوتی تھیں۔ ابن مبارک تاجر بھی تھے اور عالم بھی تھے، یہ مرد خدا مست ایک مرتبہ کئی سو میل کا سفر کر کے شام گئے اور وہاں سے لوٹے تو مرو خراسان پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس کسی کا قلم رہ گیا ہے، فوراً یاد آیا کہ یہ قلم تو شام میں انہوں نے کسی شخص سے تھوڑی دیر کے لئے مستعار لیا تھا، معمولی قلم تھا لیکن اللہ سے ڈرنے والے مرد خدا کے لئے امانت لوٹانے کا مسئلہ تھا۔ آپ نے فوراً سامان سفر درست کیا اور دوبارہ شام کے لئے سفر پر نکل پڑے۔ مہینوں بعد آپ دوبارہ شام پہنچے، قلم کے مالک کو تلاش کیا جب وہ شخص مل گیا تو دو مڑی کا وہ قلم اسے واپس کر دیا اور معذرت کی کہ غلطی سے آپ کا قلم میرے ساتھ خراسان چلا گیا تھا۔

دو مہینے بعد کتاب کا اگلا صفحہ شاہ جی نے مجھے پڑھا دیا کہ کشکول خان راولپنڈی آئے اور چپکے سے رات کی تنہائیوں میں شاہ جی کے ساتھ بیٹھنے والے سنگیوں میں شامل ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد وہ ہوٹل بند کر کے دریائے سوات کے کنارے اپنے گاؤں میں اللہ اللہ کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مجھے لگا جیسے ''لالے کا ٹہارا'' اور ''کانچ کا گلاس'' بہانا تھا اصل میں کہانی تو سلافۂ معرفت کی تھی جسے بہرحال ایک نسبت سے ساقیٔ کوثر تک پہنچنا تھا۔



بانیانِ پاکستان کا تصورِ پاکستان

ڈاکٹر رضا فاروقی

اس وقت وطنِ عزیز پاکستان شدید اندرونی اور بیرونی دباؤ کا شکار ہے، دنیا کی واحد سُپر پاور کو پاکستان کی بہت فکر لاحق ہے۔ کبھی وہ پاکستان کے ایٹمی ذخیروں کی حفاظت کے بارے میں پریشان ہے اور کبھی اسے پاکستان میں جمہوریت کے بارے میں تشویش ہے۔ اس بارے میں وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ پاکستان میں اپنی فوج اتارنے کی دھمکیاں بھی دے چکا ہے۔ دوسری طرف پاکستان کے اندرونی حالات بھی بڑے مخدوش ہیں۔ قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں جنگ کی سی کیفیت ہے۔ ملک میں بم دھماکے اور خودکش حملوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ آٹا، بجلی اور گیس کے بحران نے لوگوں کی زندگی کو اجیرن کر دیا ہے۔ ملکی صنعتیں جو پہلے ہی کسمپرسی کا شکار تھیں، اب تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو، جنرل ضیاء الحق اور اب جنرل پرویز مشرف کو استعمال کرنے کے بعد امریکہ کسی نئے گھوڑے کا انتخاب کرنے والا ہے اور نیو ورلڈ آرڈر کے تحت پاکستان کی سالمیت سے کھیلنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور یہ حالات کس طرح پیدا ہوئے اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے اپنی تاریخی اساس اور پھر قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات کا جائزہ لینا ہوگا۔

پوری دنیا میں پاکستان ہی ایک نظریاتی مملکت ہے۔ مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے مسلمانانِ برصغیر کے جداگانہ وجود کو قائم رکھنے اور ان کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالت سدھارنے کے لئے ایک اسلامی ریاست کے قیام کی اہمیت پر اس طرح زور دیا تھا کہ:

''اسلامی قانون کے گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر نافذ کیا جائے تو ہر شخص کے لئے کم از کم حقِ معاش محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن شریعت کا نفاذ ایک آزاد مسلم ریاست کے بغیر اس ملک میں ممکن نہیں۔''

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے 13 جنوری 1946ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ محض ایک ٹکڑا زمین حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا ہمارا مقصد تھا جہاں ہم اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے۔''

بانیانِ پاکستان کے افکار کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ مملکتِ خداداد پاکستان میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی عدل و انصاف کی سربلندی کے خواہاں تھے اور ان کی نظر میں اسلام ہی ایسی قوت ہے جہاں سے عدل و انصاف اور خیر و فلاح کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے بعد ملک کی باگ ڈور ایسے ہاتھوں میں چلی گئی جو سیکولر فکر رکھتے تھے یا پھر نظریہ پاکستان یعنی دو قومی نظریہ کے ہی مخالف تھے۔ آج بھی ان لوگوں کی تحریروں اور تقریروں سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ وہ تقسیم ہند کے فیصلہ کو درست نہیں جانتے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد 16 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا۔ لیکن وہاں یہ بحث چھڑ گئی کہ ملک کا دستور اسلامی ہوگا یا سیکولر۔ یہ سوال ان لادین عناصر اور وہ لوگ جو نظریہ پاکستان کے مخالف تھے، کی جانب سے ہی اٹھایا گیا جن کا ایک مؤثر گروپ اسمبلی کے اندر موجود تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر ووٹ حاصل کرنے والے ایسے افراد حقیقت میں منافق تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاکستان ایک اسلامی اور فلاحی مملکت کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔ دوسری طرف عوام الناس کا وہ جمِ غفیر تھا جس نے دل و جان سے ایسی مملکت کا خواب دیکھا تھا جس میں اسلامی عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ ان میں بہت سے گروہ تھے۔ جنہوں نے براہ راست مسلم لیگ کی حمایت کی۔ جیسے سوادِ اعظم اہل سنت کے علماء و مشائخ۔ جنہوں نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس میں منعقد کر کے نظریہ پاکستان کی بھرپور حمایت کی تھی۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد یہ لوگ سیاست سے دور گوشہ نشینی اختیار کر گئے اور اس طرح مملکت پاکستان میں زیادہ تر دخل پاکستان کے مخالفین کا ہی رہا، پھر دوسرا بڑا عذاب فوجی جرنیلوں کا سیاست میں کودنا تھا۔ جس میں جنرل ایوب خان، جنرل یحیٰی خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف یا تاجر حکمران ہو گئے۔''

امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن نے شاید افلاطون کے اس نظریئے سے متاثر ہو کر امریکن آرمی کے لئے دو اخلاقی اصول وضع کئے تھے جس پر امریکن آرمی آج بھی عمل پیرا ہے۔ وہ اصول یہ ہیں

۱۔ جو فوجی جوان یا افسر کسی سیاسی خاندان میں شادی کرے گا اسے فوج سے فی الفور ریٹائر کر دیا جائے گا۔

۲۔ کوئی فوجی افسر دورانِ سروس کسی سیاستدان اور بزنس مین سے ملاقات نہ کرے۔

کہاں شادی اور ملاقات کی باتیں اور کہاں پورے کا پورا سیاست میں داخل ہو جانا اور بزورِ قوت عوام پر حکمرانی کرنا۔ افلاطون کے مطابق تباہی ایسی اقوام کا مقدر ہے۔ ملک کو تباہی کے دہانے پر کس نے پہنچایا کیا یہ صرف حکمرانوں اور افواجِ پاکستان کی وجہ سے ہے یا اس میں عوام الناس کے دیگر طبقوں کا بھی قصور ہے۔ ہمارے خیال میں مرکزی کردار تو اہل قوت کا ہی ہے۔ مگر باقی لوگ بھی اس ذمہ داری سے

انحراف نہیں کر سکتے۔ پاکستان کے بنیادی مسائل کیا ہیں؟

- ☆ معاشرتی عدل وانصاف کا فقدان
- ☆ صوبوں کے درمیان ناراضگی کی لہر
- ☆ سیاسی نظام کی درہمی برہمی
- ☆ ملکی امن وامان کی صورت
- ☆ مہنگائی اور بے روزگاری کا عفریت
- ☆ آٹے، بجلی اور گیس کا بحران
- ☆ ملکی سلامتی کو لاحق خطرات

یہ مسائل معمولی نوعیت کے نہیں اور نہ ہی یہ چند دنوں یا چند مہینوں کی پیداوار ہیں بلکہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک یہ حالات دیدہ دانستہ یا نادیدہ دانستہ پیدا کئے گئے ہیں۔ ان حالات کو پیدا کرنے کے فوائد کن کو حاصل ہوئے۔ ظاہر ہے حکمرانوں نے ان حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حکمرانی کو طوالت دی یا پھر وہ غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرتے رہے۔

ان حالات کے تناظر میں دانشور اور قومی سوچ رکھنے والے افراد مختلف تجاویز دے رہے ہیں۔ ان تجاویز میں اہم ترین سیاسی نظام کی تشکیل ہے۔ کہ سیاست ان سیاستدانوں کو سونپ دی جائے۔ پرویز مشرف عزت و وقار کے ساتھ اقتدار سے الگ ہو جائیں اور انتخابات شفاف، معزول ججوں کی بحالی، بجلی، گیس اور آٹے کے بحران کو دور کرنے کے لئے ہنگامی بنیادوں پر فیصلے بھی شامل ہیں۔ ان تجاویز کے ساتھ ساتھ ملک میں امن وامان کی بحالی کی بھی اشد ضرورت ہے۔ وطن عزیز جو اندرونی اور بیرونی خطرات سے دوچار ہے۔ اس کے لئے اسلامی نظام عدل کا احیاء ضروری ہے۔ نظام عدل کے بغیر نہ تو ملک میں امن وامان قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی ملکی استحکام حاصل ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ جب ہم عدل کی بات کرتے ہیں تو اس میں حقوق اللہ بھی آتے ہیں اور حقوق العباد بھی، ہر کسی کا پورا پورا حق ادا کیا جائے کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ عدل ایسی چیز ہے جس سے زندگی کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صبح سو کر اٹھنے سے لے کر رات سونے تک زندگی کے تمام امور میں عدل کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عدل کائنات کی جان ہے یہ شمس وقمر یہ نجوم وکواکب اپنے اپنے نظام سے ذرہ بھر بھی منحرف ہو جائیں تو کائناتی نظام درہم برہم ہو جائے نظام عالم کو دیکھ کر آپ کہہ سکتے ہیں کہ سارا نظام ہی عدل پر قائم ہے اور یہ بات بھی سمجھنا بہت ضروری ہے کہ عدل وانصاف کا قیام صرف حکومتوں کی ذمہ داری نہیں ہے۔ بلکہ عوام بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو''

(القرآن 4:135)

ایمان والوں کو مخاطب کر کے کائنات کے پالنہار نے فرما دیا کہ عدل وانصاف ہر کسی کی ذمہ داری ہے۔ عدل وانصاف کے بارے میں رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں وہ اس لئے تباہ ہو گئیں کہ وہ لوگ کم تر درجہ کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (بخاری)

ریاست کے تین اہم ستون عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ ہیں اور ملک میں امن وامان، مساوات اور ملکی استحکام کے لئے ضروری ہے کہ عدلیہ کی بالادستی قائم ہو۔ قوانین کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں انتظامیہ کیسی ہی مستند اور مضبوط کیوں نہ ہو، جب تک عدلیہ مضبوط نہ ہوگی ملکی خوشحالی ناممکن ہے۔ کیونکہ افراد کے حقوق اور حریت کی محافظ ملک کی عدلیہ ہی ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا اس کی برتری اور بالادستی کی صورت میں ہی معاشرہ فلاحِ انسانی کا منظر پیش کر سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنی تصنیف حجتہ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں کہ:

''تمدن وترقی، معاشرتی اقدار کی بلندی اور سیاسی تنظیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بعض اوقات بخل وحسد، ریا وکبر اور غصب حقوق کے جذبات بھی ترقی کرتے رہتے ہیں اس لئے عمدہ اور پائیدار امن وامان عمدہ نظام عدل پر ہی موقوف ہے اور عدل وانصاف کا قیام ہی سب سے اہم فریضہ ہے۔''

لارڈ ڈیننگ اپنی کتاب "Road to Justice" میں کہتا ہے کہ:

''اگر انصاف موجود ہے تو پھر برے سے برے اور ظالمانہ قوانین کی موجودگی میں بھی ایک ریاست سلامت رہ سکتی ہے۔ لیکن انصاف موجود نہ ہو تو کوئی بھی ملک زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتا۔''

عدل و مساوات اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنے کے لئے اسلام ہی بہترین نظام ہے۔ یہ نظام قانون اور عفو و درگزر کا حسین امتزاج ہے اس نظام عدل میں استحکام ہے ترمیم و تنسیخ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ ایسا نظام عدل ہے کہ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کئے بغیر فیصلہ انصاف سے کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں جامعیت بھی ہے اسلام نے عدلیہ کو بالادستی دی اور تاریخ نے بے شمار امثال رقم کی ہیں جس میں خلیفہ وقت کو عدالت میں حاضر کیا گیا۔

خلیفہ وقت حضرت علی کرم اللہ وجہ کی زرہ ایک یہودی نے چوری کی، عدالت میں مقدمہ کیا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہ نے بطور گواہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے ایک غلام کو پیش کیا۔ قاضی شریح نے مقدمہ اس بنیاد پر خارج کر دیا کہ بیٹا باپ کی اور غلام آقا کی گواہی نہیں دے سکتا۔ حالانکہ قاضی جانتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ راست باز انسان ہیں اور گواہ بھی عادل ہیں۔

عدلیہ کی بالادستی کی باتیں تو سب حکومتیں کرتی ہیں مگر جب عدل کی زد پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو اس بالادستی کو تباہ کرنے کے مختلف حربے استعمال کئے جاتے ہیں کہیں مقننہ حرکت میں آکر قانون میں ترمیم کر دیتی ہے یا انتظامیہ ججوں کو تبدیل کر دیتی ہے یا پھر عدلیہ کے حقوق میں کئی طریقوں سے رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ لیکن اسلام عدلیہ کو بالادستی عطا کرتا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ وطن عزیز میں اسلامی نظام عدل و انصاف کا بول بالا کیا جائے ورنہ۔۔۔۔ انصاف اور عدل کی عدم موجودگی میں ملک کی سلامتی عظیم خطرات سے دوچار ہو سکتی ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

دینی مسائل اور ان کا حل

''مسائل دین ودنیا'' کے عنوان کے تحت قارئین کرام کے ان سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں جو کارزارِ حیات میں مختلف اعمال وافعال کی بجا آوری کے دوران انسانی ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پھر دینی وروحانی الجھنوں کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی الجھن درپیش ہو یا ذہن کے نہاں خانے میں کوئی سوال پیدا ہو کر پریشان کر رہا ہو تو فوراً لکھیے۔ آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا شافی وکافی جواب دیا جائے گا۔

محمد لیاقت علی مفتی

سوال: موجودہ دور میں پارلیمنٹ کے ذریعہ دینی معاملات میں اجتہاد کی بات کی جاتی ہے کیا شرعی طور پر پارلیمنٹ اجتہاد کرسکتی ہے؟

جواب: قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اجتہاد کی اجازت تو دی گئی ہے مگر کڑی شرائط کے ساتھ۔ ایک مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھتا ہو، استنباطِ مسائل کے اصولوں کا اسے علم ہو، عربی، صرف ونحو اور الفاظ وتراکیب کے معانی کو اچھی طرح سمجھتا ہو، الفاظ کے مترادف اور اشتراک سے واقف ہو اور لغت کا بھی عالم ہو اور پھر یہ بھی کہ اس کی نیت صحیح معنوں میں حقیقی مسائل تک پہنچنا اور دین مبین کی صحیح تشریح کرنا ہو۔ موجودہ دور میں کسی بھی مسلمان ملک کی پارلیمنٹ کے ارکان کی اکثریت کا ان شرائط پر پورا اترنا تو کجا وہ ان شرائط ہی سے نابلد ہیں لہٰذا قرآن وسنت سے بے بہرہ افراد کا کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا ہرگز ہرگز درجہ استناد تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اسے اجتہاد کہا جاسکتا ہے۔

سوال: خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

جواب: اہل سنت کے ہاں یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ گناہ چاہے کبیرہ ہو چاہے صغیرہ اس کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اور نماز جنازہ کے لئے شرط میت کا مسلمان ہونا ہے۔ اگر میت مسلمان ہے تو اس کی نماز جنازہ ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ خودکشی کرنا بھی چونکہ کبیرہ گناہ ہے اس کا ارتکاب کرنے والا گناہگار تو ہوگا مگر کافر نہیں، لہٰذا اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اسے عام مسلمانوں کی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں فقہاء کا مسلم قول یہ ہے کہ "من قتل نفسه ولو عمدا یغسل ویصلی علیه به یفتی وان کان اعظم وزرا"، جس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا اگرچہ جان بوجھ کر ہو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی۔ فتویٰ اسی پر دیا جائے گا اگرچہ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے"۔

سوال: ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوا۔ ورثاء میں ہماری والدہ اور ہمارے والد صاحب کی دوسری اہلیہ کے علاوہ ہم سات بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ جبکہ ترکے میں ایک مکان تھا جسے فروخت کر کے مبلغ تراسی لاکھ/83,00,000 روپے حاصل کیے گئے ہیں۔ مذکورہ رقم ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

جواب: کل متروکہ رقم میں سے آٹھواں حصہ مرحوم کی دونوں بیویوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا اور باقی ماندہ رقم کو 17 پر تقسیم کر کے حاصل ہونے والا حصہ ہر ہر بیٹی کو دیا جائے گا اور اس کو دو سے ضرب دینے پر ہر بیٹے کا حصہ حاصل ہوگا۔

سوال: آج سے تقریباً 20 برس قبل ہونے والے نکاح میں بصورت ناچاقی ماہوار خرچ 500 روپے مقرر کیا گیا جس کے ساتھ آج کل کسی طور بھی گزارا ممکن نہیں کیا نفقہ کی اس مقدار کو بڑھایا جاسکتا ہے؟

جواب: نفقہ کی ادائیگی کا مقصد عورت کی ضرورت کی تکمیل ہے کیونکہ بیوی کی ضروریات پوری کرنا مرد کی ذمہ داریوں میں شامل ہے ظاہر ہے جب عورت کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں تو اس کا صاف مطلب مرد کا اپنی ذمہ داریوں سے فرار ہوگا جو شرعی طور پر بالکل ناجائز ہے۔ مقدار 500 ہو یا کوئی اور اصل مقصود حاصل ہونے کا اعتبار ہوگا۔ مختصراً یہ کہ نفقہ کی معینہ مقدار میں بوقت ضرورت کمی بیشی کی جاسکتی ہے۔ اگر مرد سمجھتا ہو کہ عورت خرچہ زیادہ وصول کر رہی ہے اس کی ضروریات اس سے کم میں بھی پوری ہو جاتی ہیں تو ایسی صورت میں وہ بذریعہ قاضی و مفتی اس میں کمی کروا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر عورت سمجھتی ہے کہ معینہ مقدار اس کے لئے ناکافی ہے اخراجات اس سے زیادہ ہیں تو اس مقدار میں اضافہ بھی کروایا جاسکتا ہے

سوال: کسی نوجوان آدمی کا انتقال ہو جائے تو بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ "بیچارے کو بے وقت موت آگئی" ایسا کہنا شرعاً ٹھیک ہے؟

جواب: ہمارے معاشرے میں بہت سے غلط جملے زبان زد عام ہو چکے ہیں۔ "اللہ یہ تیرا کونسا انصاف ہے" "اے اللہ یہ تو نے کیا کر دیا"، "اللہ تو نے بڑا ظلم کیا (معاذ اللہ من ذٰلک) وغیرہ سب کفریہ جملے ہیں۔ ان سے اجتناب بہرصورت لازم ہے۔ سوال میں مذکورہ جملہ بھی جہالت پر مبنی ہے اور انتہا درجے کی نادانی ہے۔ بے وقت موت کسی کو نہیں آتی ہر کسی کی موت کا وقت معین ہے۔ جو نہ لمحہ بھر آگے ہو سکتا ہے نہ پیچھے اس طرح کے جملے ایمان کو کمزور کرنے کا سبب ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے خود بھی بچنا چاہیئے اور دوسروں کو بھی ان سے روکنا چاہیئے۔

سوال: میرے ایک دوست نے ایک غیر مسلم عورت کو مسلمان کر کے اس سے شادی کی۔ اس عورت کی ایک بیٹی پہلے ایک شوہر سے تھی۔ وہ اپنی اس بیٹی کا نکاح اپنے دیور سے کروانا چاہتی ہے کیا یہ نکاح ہو سکتا ہے؟

جواب: مذکورہ عورت کی بیٹی کی حرمت صرف اس کے شوہر کے حق میں ثابت ہے کہ وہ اس کے زیر پرورش آگئی اس کے بھائی کے حق میں حرمت کا کوئی واسطہ نہیں، لہٰذا یہ نکاح ہو سکتا ہے۔ وہ دو ماں بیٹیاں بیک وقت دو بھائیوں کے عقد میں آسکتی ہیں، البتہ اس معاملے میں یہ

بات خصوصاً ذہن نشین رہے کہ ان دونوں بھائیوں کی اولادوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکے گا کیونکہ ان کا آپس کا رشتہ ماموں بھانجی یا خالہ بھانجے کا ہوگا۔

سوال: ہمارے ہاں نکاح کے وقت مرد کو بعض شرائط کا پابند کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ وہ بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ کیا اس قسم کی شرائط کے ساتھ نکاح صحیح ہو جاتا ہے نیز یہ کہ ان شرائط کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: سوال میں مذکورہ شرائط فاسد ہیں، لہٰذا ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، البتہ شرائط فاسدہ سے چونکہ نکاح باطل نہیں ہوتا لہٰذا نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں مہر کے حوالے سے فقہاء نے کچھ مزید تفصیلات بھی بیان کی ہیں وہ یہ کہ اگر عورت کے خاندان برادری میں مروج مہر سے کم مہر پر اس کا نکاح کیا گیا تھا۔ محض اس وجہ سے کہ شوہر نے یہ شرائط قبول کر لی ہیں تو اب دیکھا جائے گا کہ کیا شوہر ان شرائط پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔ ان شرائط کی پابندی کی صورت میں مقرر کردہ مہر ہی ادا کرنے کا پابند ہوگا لیکن اگر اس نے ان شرائط کی پابندی نہ کی تو پھر مہر مثل لازم آئے گا، کیونکہ عورت مہر مثل سے کم مہر پر راضی ہی ان شرائط سے حاصل ہونے والے نفع کی وجہ سے ہوئی۔ جب وہ نفع نہ رہا تو مہر بھی مہر مثل کی طرف لوٹ آئے گا۔ اس مسئلے کی وضاحت صاحب ہدایہ کی اس عبارت سے بطور احسن ہو جاتی ہے۔

"واذا تزوجها على الف ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها اخرى فان وفى بالشرط فلها المسمى لانه صلح مهر وقد تم رضاها به وان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها مهر مثلها لانه سمى مالها فيه نفع فعند فواته ينعدم رضاها بالالف فيكمل مهر مثلها"

اور جب نکاح کیا عورت سے ایک ہزار مہر پر بایں شرط کہ وہ اسے شہر سے باہر لے کر نہیں جائے گا یا اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا پھر اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو عورت کو مقررہ مہر ہی ملے گا کیونکہ یہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور عورت کی رضامندی بھی اسی مقدار پر مکمل ہوئی ہے اور اگر اس نے دوسری عورت سے شادی کر دی یا اسے شہر سے باہر لے گیا تو بیوی کو مہر مثل ملے گا کیونکہ شوہر نے عورت کو نفع دینے والی چیز کا ذکر کیا سو نفع معدوم ہو جانے کی صورت میں اس کی رضا بھی معدوم ہو جائے گی، لہٰذا مہر مثل پورا کیا جائے گا"۔



تجھ پہ اتریں گے اندھیروں میں اجالوں کے حروف

سکون کی تلاش میں کلیسوں اور گرجوں کی دنیا سے ابوحمزہ مسجد کیسے پہنچا؟

ایک نومسلم کے دلچسپ انکشافات

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضیٰ

پیرے فوگل اسلام قبول کرنے والا جرمن مسلمان ہے۔اس کا موجودہ نام ابوحمزہ ہے۔ان دنوں وہ اپنی مادری جرمن زبان میں ڈوئچ بولے جانے والے مختلف علاقوں میں اسلام کی حقانیت اور صداقت کا علم بلند کئے ہوئے ہے۔ چھ سات سال پہلے توحید ورسالت کے نور سے اپنے من کو منور کرنے والا ابوحمزہ اپنے اسلام قبول کرنے کی داستاں کا تذکرہ کرتے ہوئے حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔ وہ بلاخوف اپنے معاشرے کی برائیوں کا ذکر کرتا ہے۔عیسائیوں کے نظریات کی نفی کرتا ہے۔دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ دنیا میں سچا مذہب صرف اسلام ہے تحریف شدہ بائبل کی تردید کرتے ہوئے قرآن کی عظمت کو بیان کرتا ہے۔

ہر انسان سکون کی تلاش کرتا ہے۔سکون کے حصول کے لئے انسان ہر وہ راستہ اختیار کرتا ہے جس سے یہ امید ہو کہ سکون نصیب ہو جائے گا۔اس راہ میں کبھی راہوں کی بجائے گمراہیوں کو مقدر بنالیتا ہے جس سے انسانیت کی تذلیل اور شرمندگی ہوتی ہے۔کبھی ان راہوں پر خیر اور شر میں تمیز کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور وہ حقیقی سکون کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ جرمن کے دارالخلافہ برلین میں پروان چڑھنے والا ابوحمزہ بھی سکون کی تلاش میں مختلف راہوں کا مسافر بنتا ہے۔اور بالآخر منزل آشنا ہوتا ہے۔نومسلم ابوحمزہ کا کہنا ہے کہ سکون اور چین کو تلاش کرنے کے لئے عیسائیت کی مذہبی رسومات کو قریب سے دیکھا اور مطالعہ کرنے کے لئے عیسائیوں کے مذہبی ادارے میں باقاعدہ کیتھولک کی تعلیم حاصل کی،لیکن یہ مذہبی تعلیم بھی میرے اندر کے انسان کو سکون پہنچانے میں کارگر ثابت نہ ہوئی۔ میرے دل ودماغ میں سوالات کا ایک سلسلہ دراز ہوتا گیا،لیکن مجھے میرے سوالوں کے جوابات کا تسلی بخش اہتمام گرجے کی دنیا سے نصیب نہ ہوا۔

ابوحمزہ شباب اور جوانی کی بہاروں میں اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتا ہے جہاں کے نوجوان پینے پلانے کے نشے میں مدہوش ہوتے ہیں،کلبوں میں رقص وسرود کی محافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ نائٹ کلبوں میں عیاشیوں کے ذریعے ہوس کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ شراب پینے کا سکون جانتے ہیں جبکہ اس کے اثرات ختم ہونے کے بعد پہلے سے زیادہ بے سکونی کی کیفیت برپا ہو جاتی ہے۔

پیرے فوگل کا کہنا ہے کہ میں نے جوانی کے نشے میں کلبوں کی عیاشی، دولت کی فراوانی، راتوں کی بدتمیزیاں، دن کے ہنگامے اور کردار سوزی کے ہر تماشے کا ذائقہ چکھا،لیکن کہیں بھی سکون محسوس نہ ہوا۔اس لئے کہ ان بدمعاشیوں میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں۔اپنے ماحول سے اکتا کر اسلام قبول کرنے والے اس نوجوان کا کہنا ہے کہ یہاں بوڑھے لوگوں کی اولاد ہے،دولت ہے،لیکن بڑھاپے میں اولاد بھی چھوڑ جاتی ہے۔ بوڑھے لوگ حکومت کے بنائے ہوئے مراکز میں بے چارگی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور نئی نسل مادر پدر آزاد ہونے کی بنا پر مذہب اور تخلیق انسان کے مقاصد سمجھنے سے عاری ہے۔

جذبے سچے ہوں تو منزل قریب ہو جاتی ہے۔تڑپ اور جستجو میں استقامت ہو تو قدرت اسباب مہیا کر دیتی ہے۔اسلام کی بہاروں سے اپنے ظاہر و باطن کو تازگی بخشنے والے ابوحمزہ کا کہنا ہے کہ ایک عرصہ تک تذبذب کا شکار رہا،ناامیدی، بے یقینی اور بے چینی کے اس ماحول میں امید کی ایک کرن پیدا ہوئی جب مجھے کولون شہر میں ایک مسجد کے باہر سے اسلام کے حوالے سے ایک ہینڈ بل ملا۔اس کو پڑھا،غور وفکر کیا تو عرصہ دراز سے میرے اندر اٹھنے والے سوالات کے جوابات کی جھلک دکھائی دی۔ یہی وہ موقع تھا کہ میرے ضمیر نے فیصلہ کیا کہ اسلام کا مطالعہ کیا جائے۔قرآن کو پڑھا جائے،شاید یہیں سے زندگی کی تقدیر بدل جائے۔اسی نظریئے کے تحت اپنی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کو پڑھنا شروع کیا۔ یہ ترجمہ ایک عیسائی مترجم کا تھا۔بعض مقامات پر کلام پاک کے تسلسل اور مضامین میں اضطراب ہوا،لیکن بعد میں مسلمانوں کا ترجمہ پڑھنے سے یہ انکشاف ہوا کہ غیر مسلم مترجم نے منشاء قرآن کو نہیں سمجھا یا سمجھ کر دیانت کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان نہیں کیا۔

انسان نیکی کی طرف بڑھے تو شیطان بھی اس کو ورغلانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ترجمہ قرآن پڑھنے کے بعد اپنے اندر ہلچل محسوس کرنے والے ابوحمزہ کا کہنا ہے کہ شیطان چھپ کر وار کرتا ہے۔ برائیوں کو بڑے خوبصورت طریقے سے پیش کرتا ہے،شیطان کبھی نہیں کہتا کہ تمہیں دوزخ کی طرف لے جارہا ہوں، بلکہ وہ تو اپنے مشن کی تکمیل بڑی چالاکی سے کرتا ہے۔جس سے انسان اس کی چالوں اور وسوسوں کا شکار ہو جاتا ہے۔قرآن کا مطالعہ کرنے والے اس جرمن نوجوان کا کہنا ہے کہ شیطان مجھ پر بار بار حملہ کرتا کہ ایک بار پھر بائبل پڑھو۔شاید اس میں کوئی سکون کی راہ مل سکے۔ بائبل کے مختلف رائٹرز کے نسخے لئے۔ان کو پڑھا، دیکھا،غور کیا،ایک بائبل کا دوسری سے تضاد، دوسری کا تیسری سے اور تیسری کا چوتھی سے،اسی طرح تعداد زیادہ ہونے کے ساتھ یہ سلسلہ بڑھتا جاتا ہے۔اپنی کیفیات میں کبھی بائبل اور کبھی قرآن پڑھتا،لیکن بائبل کے برعکس قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں،تحریف نہیں،مضامین میں تسلسل ہے،قرآن کہانیاں بیان نہیں کرتا بلکہ حکمت ودانائی، ہدایت ومعرفت کے موتی بکھیرتا ہے۔کتاب مجید پڑھنے سے ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ حکمت وعلم عطا کرنے والی ذات کا کلام ہے۔ابوحمزہ کا کہنا ہے کہ ان حقائق کے اعتراف کے باوجود شیطان نے شکوک وشبہات میں ایسے مبتلا کیا ہوا تھا کہ ابھی تک کوئی اہم

فیصلہ نہ کرسکا۔ ابوحمزہ نے بتایا کہ ایک دن باکسنگ کلب میں امریکہ کے ایک باکسر سے ملاقات ہوئی جو مسلمان تھا۔ اس سے بھی اسلام کے بارے میں باتیں ہوئیں۔ ابوحمزہ کہتا ہے کہ میں قرآن پڑھتا اور نماز بھی یاد کرلی۔ اسلام کے بارے میں کافی معلومات ہوچکی تھیں لیکن ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا۔ میرے کوچ نے ایک باکسر کو نماز جمعہ کے لئے مسجد میں لے جانے کی ذمہ داری مجھے سونپی۔ اس کو مسجد لے گیا اور میں نے بھی دو رکعت نماز جمعہ ادا کی۔ نماز پڑھنے کے بعد مراکش کا رہنے والا ایک عمر رسیدہ شخص مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ تم اکیلے ہی مسلمان ہوئے ہو یا تمھارے والدین اور خاندان کے دیگر افراد بھی۔ ابوحمزہ کہتا ہے کہ یہ وہ خوبصورت لمحہ تھا جس کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا۔ اسی لمحہ میرے اندر ایک انقلاب پیدا ہوا اور میں نے اسلام کو قبول کیا۔

تجھ پہ اتریں گے اندھیروں میں اجالوں کے حروف
سرمدی نغمے کی آواز سے ڈر مت جانا

ابوحمزہ کہتا ہے کہ میرا تجربہ ہے کہ ہر انسان کو اسلام اور قرآن سمجھنے کے بعد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ قرآن کا ہر لفظ فطرت کے مطابق ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں پر اسلام کے بارے میں منفی پروپیگنڈا بہت زیادہ ہے جبکہ حقائق بالکل برعکس ہیں۔ ابوحمزہ کہتا ہے کہ میرے سابقہ مذہب کے لوگ اپنی فیملی سے زیادہ پیار کرتے ہیں جبکہ مسلمان اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ چہرہ پر داڑھی سنت کے مطابق سجا کر اسلام کی تبلیغ کرنے والا ابوحمزہ کہتا ہے کہ یہاں کے مسلمان کلمے تو پڑھ لیتے ہیں لیکن اسلام کے بارے میں جانتے نہیں۔ وہ اس درد کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا پیغام دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں مسلم ممالک کی طرح مساجد بنانے کی اجازت تو نہیں لیکن پھر بھی مساجد کو آباد کرنے کے لئے کوشاں ہونا چاہیئے، بلکہ 16-فروری 2008ء کو آن لائن ایک جرمن اخبار ''دی ورلڈ'' نے جرمنوں سے رائے لی کہ مسلمانوں کو یہاں میناروں کے ساتھ مساجد بنانے کی اجازت ہونی چاہیئے یا نہیں۔ ساٹھ فیصد لوگوں نے مساجد کی اجازت ہونے کے حق میں رائے دی۔

ابوحمزہ کہتا ہے کہ آسان راستے تلاش کرنے کی بجائے محنت کو شعار بنانا چاہیئے۔ ہر انسان کو اپنے من اور اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیئے۔ ابو حمزہ کا کہنا ہے کہ سچا مذہب کسی مذہب کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کرتا۔ جھوٹے مذہب سچے مذہب کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔

سکون کی تلاش میں کلبوں اور گرجے کی دنیا سے نکل کر مسجد میں پہنچنے والے ابوحمزہ کا کہنا ہے کہ مسلمان متحد ہوکر قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر ہی دنیا و آخرت میں کامیابیوں کو اپنا مقدر بنا سکتے ہیں۔



مرکزی ناظمِ اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان کے ہمراہ اعلیٰ سطحی وفد کی سینیٹر عبدالمالک اور ایم این اے صاحبزادہ علامہ نورالحق قادری سے تعزیتی ملاقات











جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے امیر صاحبزادہ نورالحق قادری کے اعزاء کرام کو شہید کرنے کے خلاف جماعت اہل سنت لاہور کے زیر اہتمام احتجاجی مظاہرہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

















پاک پتن شریف کے مذہبی سماجی اور معاشرتی مسائل پر جماعت اہل سنت پاکستان ضلع پاک پتن شریف کی جماعت کے مرکزی ناظمِ اعلیٰ سے ملاقات کے مختلف مناظر

















مفکر اسلام پیر سید ریاض حسین شاہ، علامہ قاری خالد محمود نقشبندی، مولانا الحاج محمد منشاء تابش قصوری بزم بہار مدینہ جماعت اہل سنت مرید کے کے زیر اہتمام میلاد النبی ﷺ ایوارڈ کی تقریب سے خطاب فرما رہے ہیں جبکہ سٹیج پر حافظ احمد عبدالستار، چوہدری محمد امین چٹھہ، شیخ ناصر اسماعیل و دیگر مہمانانِ گرامی بیٹھے ہیں۔





















